مولانا محمد شہاب الدین ندوی

سورج کی موت اور قیامت

قرآن، حدیث اور سائنس کی نظر میں

مطبوعات فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

عرفان خطیب

سورج کی موت اور قیامت

قرآن، حدیث اور سائنس کی نظر میں

مطبوعات فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ

سلسلہ مطبوعات فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ ۷۷

نام کتاب .... سورج کی موت اور قیامت

نام مصنف .... مولانا محمد شہاب الدین ندوی

کمپیوٹر کمپوزنگ .... جمیل الرحمٰن ندوی، فرقانیہ گرافکس، بنگلور

باراول ۲۰۰۱ء/۱۴۲۱ھ

ناشر .... فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ، بنگلور

مطبوعہ .... ایلیگنٹ پرنٹنگ ورکس، بنگلور

قیمت 38/-

شائع کردہ

فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ

FURQANIA ACADEMY TRUST

82, 10th Main, 1st Cross, BTM 1st Stage, Bangalore.560029 (India)

Tel: 6682101, 6684161; Fax: 6682101;

E-mail: furqania@vsnl.com; http://www.furqania.com

باہتمام

جمیل الرحمٰن ندوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

قیامت کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک ہے، جس کا استحضار انسان کو اپنے کردار و کیرکٹر کے درست کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم میں اس کے اثبات پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے اور اس کے ثبوت میں عقلی و سائنسی دلائل پیش کئے گئے ہیں، تاکہ غافل انسان آنے والی زندگی پر یقین کر سکے۔ چنانچہ انہی دلائل میں سے ایک ہمارے سورج کی موت بھی ہے۔ سائنسی نقطۂ نظر سے سورج ایک نہ ایک دن ضرور ختم ہو کر رہے گا، جیسا کہ خود سائنس دانوں نے بیسویں صدی میں اس حقیقت پر سے پردہ اٹھایا ہے۔ مگر اسلام نے اب سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے اس ابدی حقیقت کی پیش گوئی کر دی تھی، جس کی تصدیق موجودہ دور میں ہو رہی ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ پوری کائنات ایک منصوبہ بند عمل کا نتیجہ ہے اور اس کے سارے واقعات خدائی منصوبے کے عین مطابق ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔

یہ کتاب دو مقالات کا مجموعہ ہے جو الگ الگ اوقات میں لکھے گئے ہیں۔ مگر ان دونوں میں کافی مناسبت ہے۔ اس لئے انہیں یکجا طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔

محمد شہاب الدین ندوی

۷/۸/۲۰۰۱ء

فہرست مضامین

دوسرا باب

آسمان کیا ہے؟

پہلا باب

سورج کی موت اور قیامت

قرآن، حدیث اور سائنس کی نظر میں

اسلامی عقائد میں توحید اور رسالت کے بعد یوم آخرت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ انہیں عقائد کے اثبات سے انسانی کردار و کیرکٹر کی درستی عمل میں آتی ہے۔ یوم آخرت یا قیامت کا عقیدہ ایک ایسا کوڑا یا ہنٹر ہے جو انسان کو قابو میں رکھ سکتا ہے، جس کے مطابق ہر انسان کو اس کے اعمال کی جزا وسزا ملے گی۔

اسلام کی ایک پیش گوئی

اسلامی عقائد ادعائی یا دقیانوسیت کی نشانی نہیں ہیں، بلکہ وہ حد درجہ علمی و عقلی ہیں، جن کی صداقت پر نظام کائنات گواہ ہے۔ چنانچہ اسلامی عقائد اور تعلیمات کی تصدیق وتائید جدید ترین اکتشافات کے ذریعہ مسلسل ہو رہی ہے، جو اس بات کا واضح اور نا قابل تردید علمی وسائنٹفک ثبوت ہے کہ یہ پوری کائنات اسی علیم وخبیر اور لازوال ہستی کی پیدا کردہ ہے جس نے نبی آخر زماں حضرت محمدﷺ کے ذریعہ ایک بے نظیر اور معجزانہ کتاب بھیجی ہے، جو اس کائنات کے ایسے ''بھیدوں'' پر مشتمل ہے، جن کو چودہ سو سال پہلے کوئی بھی انسان نہیں جانتا تھا۔ اور ان بھیدوں میں سے ایک بھید سورج کی ''موت'' اور وقوع قیامت کا نظارہ ہے۔ چنانچہ نہ صرف قرآن عظیم میں سورج اور ستاروں کی ''طبیعی'' موت کی پیش گوئی واضح انداز میں مذکور ہے، بلکہ حدیث نبوی میں اس کی شرح وتفصیل بھی وارد ہوئی ہے۔ نیز

صدیوں پہلے مفسرین اور راویان حدیث نے بھی اس قرآنی پیش گوئی کا صحیح صحیح مفہوم بیان کر کے اس نظریہ وعقیدے کو مزید مستحکم کر دیا ہے۔

نظام کائنات کی گواہی

چنانچہ اب چودہ سو سال بعد جدید سائنس اور اس کے انکشافات نے ہو بہو وہی مفہوم بیان کر کے اسلامی عقائد وتعلیمات کی صحت وصداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اور یہ بڑی ہی ایمان افروز کہانی ہے، جس کے ملاحظے سے اسلام کے مذکورۂ بالا تینوں بنیادی عقائد علم وعقل کی روشنی میں صحیح ثابت ہوتے ہیں اور الحاد و مادہ پرستی کی تردید ہوتی ہے۔ چنانچہ اس حقیقت کے ملاحظے سے ثابت ہوتا ہے کہ:

۱- یہ کائنات کوئی الل ٹپ یا اتفاقی حادثہ نہیں ہے، بلکہ اس کا ایک خالق اور رب بھی ہے جو اس کائنات کے تمام اسرار سربستہ سے واقف ہے، اور یہی خدائے ذوالجلال ہے۔

۲- خالق کائنات نے چونکہ اپنی تخلیقات کے اندرونی رازوں کی نقاب کشائی کرتے ہوئے انہیں اپنی کتاب حکمت میں چودہ سو سال پہلے ہی محفوظ کر دیا ہے، جن کی تصدیق وتائید انکشافات جدیدہ کے ذریعہ ہو رہی ہے، لہذا ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب (قرآن عظیم) برحق ہے اور وہ اسی ہستی کی جانب سے نازل شدہ ہے جس نے یہ رنگا رنگ کائنات بنائی ہے۔ ورنہ اس قدر لازوال سچائیاں ظہور میں نہ آتیں۔

۳- قرآن عظیم جس ہستی پر نازل ہوا وہ خدا کے سچے رسول تھے، جنہوں نے کلام الٰہی کو بے کم وکاست انسانوں کے سامنے پیش کیا۔ اور انہوں نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی، بلکہ جو کچھ بھی کہا وہ وحی الٰہی کی بدولت کہا۔

رونگٹے کھڑا کر دینے والی داستان

اس اعتبار سے توحید، رسالت اور یوم آخرت کے اثبات کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا بھی سائنٹفک نقطۂ نظر سے ثابت ہوتا ہے۔ نیز اس بحث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ عالم رنگ وبو ایک زبردست اسکیم اور پوری منصوبہ بندی کے تحت وجود میں آئی ہے اور ایک مکمل پلان کے تحت

جاری وساری ہے۔ چنانچہ اس موقع پر سورج کی ''طبیعی موت'' پر (جو وقوعِ قیامت کی ایک واضح علامت ہے) جدید ترین سائنسی تحقیقات کا ایک جائزہ پیش کیا جائے گا اور پھر قرآن وحدیث کے ابدی حقائق اور مفسرین ومحدثین اور راویانِ حدیث کی تشریحات پیش کی جائیں گی، جن سے یہ حقیقت دو اور دو چار کی طرح سامنے آئے گی کہ ان سب کا تال اور سر ایک ہی ہے۔ نیز یہ کہ قرآن اور حدیث میں سورج اور چاند ستاروں کی موت اور اختتامِ کائنات کے بارے میں ایسے زبردست انکشافات موجود ہیں جو رونگٹے کھڑا کر دینے والے ہیں۔

چاند اور سورج باضابطہ وبا رفتار

یہ کائنات بخت واتفاق کے تحت وجود میں نہیں آئی، بلکہ اس کا ایک خالق وناظم ہے جس نے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ اسے وجود بخشا ہے۔ چاند، سورج اور ستارے اس کائنات میں باضابطہ طور پر رواں دواں ہیں۔ اس سلسلے میں ایک سائنٹفک حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حیوانات ونباتات پیدا ہوتے ہیں، پھر جوان ہوتے ہیں، اور پھر بوڑھے ہوکر مر جاتے ہیں، بالکل اسی طرح چاند ستارے بھی پیدا ہوتے پھر جوان ہوتے اور پھر بوڑھے ہوکر ختم ہوجاتے ہیں۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اسی لئے قرآنِ حکیم میں چاند، سورج اور ستاروں کی ماہیت اوران کے ضوابط میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ، وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌ بِاَمْرِهٖ. اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ. (نحل: ۱۲)

''اور اس نے تمہارے لئے دن رات اور چاند سورج کو رام کر دیا ہے، اور ستارے بھی اسی کے حکم کے تابع ہیں۔ ان مظاہر میں عقل والوں کے لئے کافی نشانیاں موجود ہیں۔''

اس سلسلے میں ایک دوسری حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ چاند اور سورج ایک مقررہ مدت یا ایک حسابی ضابطے کے تحت چکر کاٹ رہے ہیں، جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے:

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ، كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى، ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ۔ (فاطر: ۱۳)

''وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں۔ اور اسی نے سورج اور چاند کو قابو میں کر رکھا ہے۔ (چنانچہ) ہر ایک ایک مقررہ مدت کے مطابق دوڑ رہا ہے۔ یہی ہے تمہارا رب اور اسی کے لئے ہے (اس کائنات کی) پوری بادشاہی۔''

اس موقع پر ''اجل مسمّی'' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ لفظ ''اجل'' کے معنی مقررہ مدت کے ہیں (المدۃ المضروبۃ للشئ[1])۔ اور ''مسمّی'' کے معنی بھی مقرر کردہ یا محدود کیے آتے ہیں۔ (سمّی الاجل۔ عینہ وحددہ)[2]

اس لحاظ سے اس میں مزید تاکید پیدا ہوگئی ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مدت جو بالکل مقررہ ہو۔ اور اس مقررہ مدت کے دو مفہوم یا دو مصداق ہو سکتے ہیں: (۱) چاند اور سورج دونوں ایک مقررہ حساب سے چل رہے ہیں۔ (۲) یہ دونوں ایک مقررہ مدت تک چلتے رہیں گے۔ پہلی صورت میں لفظ ''یجری'' حال کے معنی پر دلالت کرنے والا ہوگا، جیسا کہ اوپر مذکور سورۂ فاطر کی آیت سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اور دوسری صورت میں وہ مستقبل کے معنی پر دلالت کرنے والا ہوگا، جیسا کہ حسب ذیل آیت سے ظاہر ہوگا۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ، كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى، يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ۔ (رعد: ۲)

''اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے۔ (چنانچہ ان دونوں میں سے) ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا۔ وہ معاملے کی تدبیر کر رہا ہے اور اپنی نشانیوں کو کھول کر بیان کر رہا ہے، تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کر سکو۔''

اس موقع پر ''وقت مقررہ'' سے مراد ''یوم موعود'' ہے۔ کیونکہ اس کے بعد جو تین حقیقتیں بیان

کی گئی ہیں وہ وقوع قیامت پر دلالت کر رہی ہیں: (۱) وہ پورے معاملے (نظام کائنات) کی تدبیر کر رہا ہے۔ (۲) وہ اپنی نشانیوں کو (جو وقوع قیامت سے متعلق ہیں) کھول کھول کر بیان کر رہا ہے۔ (۳) تاکہ تم اپنے آقا سے ملنے کا یقین کر سکو۔ یعنی وقوع قیامت کی سچائی کا نظارہ پورے یقین کے ساتھ کر سکو۔ چنانچہ اس موقع پر وقوع قیامت سے متعلق جن نشانیوں کے ظہور کی پیش گوئی کی گئی ہے وہ جدید ترین سائنسی تحقیقات واکتشافات کے باعث کھل کر سامنے آ گئی ہیں۔ لہٰذا اب اگلی سطور میں ان پر بحث کی جائے گی۔

وقوع قیامت سائنس کی نظر میں

سائنسی نقطۂ نظر سے ہمارے سورج جیسے ستارے بھی جیتے اور مرتے رہتے ہیں۔ ہماری اس کائنات میں اربوں کہکشائیں (ستاروں کی جھرمٹ) موجود ہیں۔ ہماری کہکشاں میں ہمارے سورج جیسے تقریباً ایک کھرب ستارے موجود ہیں [3]۔ کہکشاؤں اور ستاروں کی یہ تعداد محیرالعقول ضرور ہے مگر یہ کوئی افسانہ نہیں ہے۔ ماہرین فلکیات جدید ترین دوربینوں کے ذریعہ لاکھوں نوری سال کے فاصلے پر واقع کہکشاؤں کا نظارہ کر کے ان کی واضح تصویریں اتار چکے ہیں۔ سورج اور دیگر ستارے ہائیڈروجن گیس کے بنے ہوئے ہیں جو ایک جلنے والی گیس ہے۔ اور سورج کے بطن میں ڈیڑھ سے دو کروڑ ڈگری درجہ حرارت پائی جاتی ہے۔ اور اس زبردست تپش کی بدولت اس کی ہائیڈروجن گیس مسلسل جلتے ہوئے ایک دوسرے عنصر ہیلیم [4] میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے، جو جلنے کے قابل نہیں ہے۔ بلکہ اس کی حیثیت راکھ کی طرح ہے، جو کسی چیز کے جلنے کے بعد باقی رہ جاتی ہے۔ سورج درحقیقت ایک چراغ کی طرح ہے، جس کا ''ایندھن'' ہائیڈروجن گیس ہے۔ سورج کی روشنی اور اس کی حرارت اسی کے جلنے کی بدولت پیدا ہوتی ہے۔ اور جب یہ ایندھن ختم ہو جائے گا تو چراغ بھی بجھ جائے گا [5]۔ اب ظاہر ہے کہ اس کا سارا ایندھن ایک نہ ایک دن ضرور ختم ہو کے رہے گا، تب وہ بالکل سرد اور ''بے جان'' ہو کر ایک طرف

لڑھک جائے گا اور یہ اس کی "موت" ہوگی۔ سائنس کی اصطلاح میں ایسے ٹھنڈے یا "مردہ" ستارے کو "سفید بونا" یا "وہائیٹ ڈراف" ؀ کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے سورج درحقیقت ایک بہت بڑا "تھرمل پلانٹ" ہے، جو انسان کی خدمت بھی کر رہا ہے اور اسے ایک آنے والے دن کی خبر بھی دے رہا ہے۔

اس سلسلے میں ایک روسی سائنس داں جارج گیمو نے (جس نے بعد میں امریکہ کی شہریت اختیار کر لی تھی) ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام ہی "سورج کی پیدائش اور موت ؀" ہے۔ چنانچہ اس نے سورج کی "طبیعیات" پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے صاف لکھا ہے کہ سورج کے اندر بہت بھاری مقدار میں ہائیڈروجن گیس موجود ہے، جو مسلسل ہیلیم میں تبدیل ہوتی جارہی ہے۔ بالآخر اس کی پوری ہائیڈروجن جل جائے گی، تب اس کا تھرمونیوکلیرری ایکشن بند ہوجائے گا۔ اور وہ ایک بے حد ٹھنڈے جسم میں تبدیل ہوجائے گا۔

The sun has a larger percentage of hydrogen gas in its atmosphere which will be continually converted into helium. Eventually all hydrogen is going to be burnt up when the thermonuclear recation will be ceased. It will turn into an immensely cold body. ؀

اور اب یہ دنیائے سائنس میں ایک "حقیقت" بن چکی ہے۔ کیونکہ یہ چیز طبیعی اور "حسابی" نقطۂ نظر سے ایک حتمی صداقت نظر آرہی ہے۔ اور اس حقیقت کو ہر سائنس داں صحیح تصور کرنے پر خود کو مجبور پا رہا ہے۔ چنانچہ دنیا کے سب سے بڑے "دائرۃ المعارف" انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں اس حقیقت کا اعتراف اس طرح موجود ہے:

"سورج کے مستقبل کا ارتقا بھی اسی طرح متوقع ہے جس طرح دوسرے عام ستاروں میں ہوتا ہے۔ آخرکار پوری ہائیڈروجن جل کر ختم ہوجائے گی اور ہیلیم اور دیگر وزنی جوہروں کا نیوکلیائی تعامل شروع ہوجائے گا۔ اس کے نتیجے میں سورج کی کیمیائی ساخت بدل جائے گی اور اس کی روشنی میں اضافہ ہوجائے گا۔ اس طرح وہ ایک "سرخ دیو ؀" بن جائے گا۔ ارتقائی اعداد و شمار سے اندازہ ہوتا ہے کہ

سورج کو اس حالت تک پہنچنے کے لئے ایک ارب سال درکار ہوں گے۔ آخر کار جب نیوکلیائی توانائی کے سارے ذرائع ختم ہو جائیں گے تو سورج اپنی آخری ارتقائی منزل تک پہنچ کر ایک ''سفید بونا'' بن جائے گا، یعنی ایک چھوٹے دائرے والا ستارہ''۔

The future evolution of the sun is expected to be similar to that of other normal stars. Eventually all hydrogen will be burned up and nuclear reactions involving helium and heavier atoms will take over. This will change the chemical composition of the sun; as a result, the sun will increase in luminosity and thus turn into a red giant. Computations on evolutionary models predict that in a few times 10^9 years the sun will reach the red giant stage. Finally, when all nuclear energy sources are used up, the sun will reach its last evolutionary stage; that is, it will become a white dwarf, a star of small radius. [۱۰]

اس موقع پر یہ جو کہا گیا ہے کہ سورج کی ''حیاتِ مستعار'' کے ابھی ایک ارب سال باقی ہیں، تو یہ بات سورج کے جسم میں موجود ہائیڈروجن کی مقدار کے پیش نظر ہے کہ وہ جس رفتار سے اپنا ''ایندھن'' (ہائیڈروجن) کھوتا جا رہا ہے اس کے پیش نظر اس کے ایندھن کو ختم ہونے میں ابھی اتنا عرصہ لگے گا۔ مگر یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ سورج ایک ارب سال سے پہلے ختم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خود سائنس دانوں ہی کی تحقیقات کے مطابق ہمارے سورج جیسے بعض ستارے پُر اسرار قسم کے دھماکوں سے پھٹتے رہتے ہیں۔ اس طرح پھٹنے والے ستاروں کو ''حادث ستارے'' (نووے) [۱۱] کہا جاتا ہے۔ اور ہماری کہکشاں میں ہر سال اس قسم کے تقریباً تیس ستارے پھٹتے رہتے ہیں:

About thirty nova outburts are thougth to occur each year in the Galaxy. [۱۲]

اور یہ وہ تماشائے رُبوبیت ہے جس کا آج سائنس داں اپنی طاقتور دوربینوں کے ذریعہ ''مشاہدہ'' کر رہے ہیں۔ اور اس اعتبار سے ہمارا اپنا سورج بھی کسی دن ایک حادث ستارہ (نووا) بن

سکتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں خود جارج گیمو نے اس کا امکان ظاہر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ ہمارا سورج بھی کسی دن اچانک ایک حادث ستارے کا روپ دھار کر ایک لطیف گیس میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اتنی سرعت کے ساتھ ہوگا کہ کسی کو بھی محسوس نہ ہوگا کہ کیا ہو رہا ہے۔ ہاں البتہ اگر کسی بعید ترین نظامِ شمسی کے کسی سیارے پر بیٹھے ہوئے کچھ ماہرین فلکیات اپنی دوربینوں کے ذریعہ ہمارے سورج پر نگاہ ڈالیں گے تو وہ دیکھیں گے کہ ایک حادث ستارہ نمودار ہوا ہے۔

If, one fatal day, our sun should choose to become nova, the earth (and all the other planets as well) would instantly be turned into a thin gas; and it all would take place so fast that nobody would ever have time to realize what happened. Only the astronomers, if there are any, on some distant planetary system of another star. [۱۳]

ایک عظیم قرآنی انکشاف

سورج کی پیدائش اور موت کی یہ پوری داستان جس کو دنیائے سائنس نے بیسویں صدی میں دریافت کیا ہے، اس کا انکشاف قرآن عظیم کے ذریعہ روزِ اول ہی میں ایک علمی پیش گوئی کے طور پر اس طرح کر دیا گیا تھا:

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۔ وَإِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ: (ایک وقت آئے گا) جب سورج بے نور ہو جائے گا اور جب ستارے جھڑ پڑیں گے۔ (تکویر:۱-۲)

اس موقع پر پہلی آیت میں سورج کی ''بے نوری'' یا اس کی موت کی خبر دی گئی ہے۔ اور دوسری آیت میں کائنات کے اختتام کی پیش گوئی کی گئی ہے، جس کے نتیجے میں قیامت واقع ہوگی۔ چنانچہ پہلی آیت کی حقیقت اوپر مذکور سائنسی انکشافات کے تحت بخوبی ظاہر ہو چکی ہے۔ سورج کی یہ موت ظاہر ہے کہ ہمارے پورے ''نظامِ شمسی'' کی موت ہوگی۔ کیونکہ جب سورج ہی نہیں رہے گا جو روشنی، حرارت اور زندگی کا منبع ہے، تو اس کے تابع سیاروں (جیسے عطارد، زہرہ، زمین، مریخ، مشتری اور

زحل وغیرہ) کا وجود بھی باقی نہ رہ سکے گا۔اس اعتبار سے مجرد سورج کا اختتام نظام شمسی میں موجود تمام مخلوقات کے لئے قیامت کا دن ہوگا۔

اور دوسری آیت کے کئی مطالب ہوسکتے ہیں: اول یہ کہ ہماری کہکشاں (ملکی دے [۱۴]) کے تمام ستارے وسیارے آپس ہی میں ٹکرا کر ختم ہوجائیں گے۔ دوم یہ کہ اللہ تعالی ان کی باہمی جذب وکشش (گراویٹیشن) کو ختم کر کے انہیں بکھیر دے گا۔ سوم یہ کہ یہ پوری کائنات جو اربوں کہکشاؤں اور کھربوں ستاروں پر مشتمل ہے (جیسا کہ اکتشافات جدیدہ کے تحت یہ بات پوری طرح محقق ہے) وہ پوری کی پوری آپس ہی میں ٹکرا کر ختم ہوجائے گی۔ اور یہ بات موجودہ "نظریہ عظیم دھاکہ" (بگ بینگ تھیوری [۱۵]) کی رو سے بہت ممکن نظر آتی ہے۔ اور حسب ذیل آیت کریمہ میں غالباً اسی قسم کے نظریہ کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے:

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ، كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ. وَعْدًا عَلَيْنَا، اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ. (انبیاء: ۱۰۴)

جس دن کہ ہم آسمان کو (اس کے تمام اجرام سمیت) اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح کہ مکتوبہ اوراق کا طومار لپیٹا جاتا ہے، جس طرح ہم نے (اس کائنات کی) تخلیق اول کی ابتدا کی تھی، اسی طرح اس کا اعادہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمہ ایک وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور پورا کریں گے۔

قرآن، حدیث اور سائنس کی مطابقت

موجودہ سائنسی نظریات کی روشنی میں اس قسم کے حقائق کو سمجھنے میں بڑی آسانی ہوگئی ہے۔ ورنہ قدیم نظریات کی روشنی میں اجرام سماوی کی گردش اور ان میں موجود باہم جذب وکشش کا مفہوم واضح نہیں تھا۔ لیکن تعجب ہوتا ہے کہ جدید نظریات واکتشافات سے بے خبر ہمارے قدیم علماء ومفسرین نے بھی بالکل وہی مفہوم بیان کیا ہے جو جدید اکتشافات سے مطابقت رکھنے والا ہے۔ اور اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ تازہ اکتشافات ہمارے لئے کوئی نئی چیز نہیں رہے، بلکہ اس قسم کے حقائق قرآن تو

قرآن خود احادیث وروایات تک میں بھی بکھرے ہوئے ہیں۔ اور اس قسم کے حقائق ومعارف کے ملاحظے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف قرآن عظیم سے مطابقت رکھنے والے ہیں بلکہ جدید ترین سائنسی تحقیقات سے بھی پوری طرح ہم آہنگ ہیں۔ اور اس اعتبار سے آج قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث نبوی کی صداقت اور اس کا اعجاز بھی ثابت ہورہا ہے۔ نیز اس بحث سے راویان حدیث اور قدیم مفسرین کی صدق وسچائی پر بھی ایک نئی روشنی پڑتی ہے کہ انہوں نے تحقیقات جدیدہ سے یکسر ناواقف ہونے کے باوجود پوری ایمانداری کے ساتھ وہی مفہوم ایک ''علمی امانت'' کے طور پر بیان کردیا جو رسول اکرم ﷺ اور صحابہ وتابعین سے منقول ہے۔

چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پہلی حقیقت یہ ہے کہ جس سورہ میں سورج کی بے نوری یا اس کی موت کی خبر دی گئی ہے اس کا نام ہی ''تکویر'' رکھ دیا گیا ہے۔ یعنی سورج کی ''بساط الٹنا'' یا اس کا ''بوریا بستر گول کرنا''، جو اختتام کائنات کی علامت ہے۔ اسی طرح قرآن کے آخری پارہ میں اس سلسلے کی مزید دو سورتیں موجود ہیں جو وقوع قیامت پر سائنسی نقطۂ نظر سے نوع انسانی کو متنبہ کرنے والی ہیں اور وہ ہیں سورۂ انفطار اور سورۂ انشقاق۔ اور ان دونوں میں بھی ''ستاروں کی موت'' اور اختتام کائنات کی خبر دی گئی ہے۔ اور اس اعتبار سے یہ تینوں سورتیں جو مختلف الفاظ واسالیب میں ہیں، ایک ہی مضمون اور ایک ہی حقیقت کا اعلان کررہی ہیں۔

إِذَا السَّمَآءُ انفَطَرَتْ . وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ: جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب ستارے بکھر جائیں گے۔ (انفطار:۱-۲)

إِذَا السَّمَآءُ انشَقَّتْ: جب آسمان پھٹ جائے گا۔ (انشقاق:۱)

چنانچہ ایک حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی کو قیامت کا دن اپنی آنکھوں سے دیکھنے سے خوشی ہوتی ہو تو اسے چاہئے کہ وہ ''إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ'' اور ''إِذَا السَّمَآءُ انفَطَرَتْ'' اور ''إِذَا السَّمَآءُ انشَقَّتْ'' پڑھے۔[۶]

ظاہر ہے کہ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو کائنات کے اندرونی بھیدوں سے واقف ہو۔ ورنہ مستقبل میں پیش آنے والے علمی حقائق کے پیش نظر ماضی بعید میں کوئی صحیح اصول یا ضابطہ بیان کرنا ممکن نہیں ہوسکتا۔ اور ضابطہ بھی کیسا؟ وہ جو قرآن کی مختلف آیات اور اس کے مختلف الفاظ کو ایک لڑی میں پرونے والا ہو! اس اعتبار سے قرآن تو قرآن خود حدیث نبوی کی بھی صحت وصداقت ثابت ہوتی ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ''سرچشمۂ علم'' سے صادر شدہ ہیں ورنہ ان دونوں میں اتنی زبردست مطابقت ہرگز نہ پائی جاتی۔

حدیث کی جانچ کا ایک نیا اصول

واضح رہے کہ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے ''حسن غریب'' کہا ہے، جب کہ امام حاکمؒ نے اسے ''صحیح'' قرار دیا ہے اور امام ذہبیؒ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے [۱۷] مگر موجودہ دور میں کسی حدیث کی ''صحت'' جانچنے کا صحیح اصول یہ ہونا چاہئے کہ وہ عقلی اور علمی اعتبار سے یا تو قرآن سے ہم آہنگ ہوجائے یا قرآن اور جدید تحقیقات واکتشافات کے مطابق ہوجائے۔ چاہے اس کی روایتی حیثیت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اس طرح بہت سی ''ضعیف'' حدیثیں بھی اپنے معنی ومفہوم کے لحاظ سے صحیح ثابت ہوسکتی ہیں، جن میں ''تاریخی'' اعتبار سے کچھ ''خامی'' رہ گئی ہو۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک اصول خود احادیث ہی میں اس طرح موجود ہے:

اعرضوا حديثي على كتاب الله، فإن وافقه فهو مني وانا قلته: میری حدیث کو کتاب اللہ پر پیش کرو، اگر وہ اس کی موافقت کرلے تو وہ میری بات ہے اور اسے میں نے کہا ہے۔ [۱۸]

ستكون عني رواة يروون الحديث، فاعرضوه على القرآن، فإن وافق القرآن فخذوها وإلا فدعوها: عنقریب مجھ سے حدیث روایت کرنے والے راوی ہوں گے۔ لہٰذا تم حدیث کو قرآن پر پیش کرو، اگر قرآن اس کی موافقت کرے تو اسے قبول کرلو ورنہ چھوڑ دو۔ [۱۹]

اس اعتبار سے بھی موجودہ دور میں حدیث شریف پر تحقیقی کام کرنا بہت ضروری ہے، تاکہ موجودہ دور کے فتنوں کا صحیح جواب ہوسکے۔ اور خاص کر آج کل جو لوگ حدیث نبوی پر بے اعتباری ظاہر

کرتے ہیں ان کا مؤثر طور پر رد ہو سکے۔

غرض موجودہ دور میں کسی راوی کی ''ثقاہت'' یا اُس کا ''ضعف'' معلوم کرنے کا معیار بجائے ''روایت'' کے ''درایت'' ہونا چاہئے۔ یعنی حدیث پر علمی و عقلی نقطۂ نظر سے بحث کر کے دیکھنا چاہئے کہ اس کی صحت و صداقت کتاب اللہ میں موجود معانی و مضامین کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور یہ کام انتہائی دقت نظر اور بصیرت بینی کا طالب ہے۔ مگر اس سلسلے میں یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہئے کہ رسول اکرم ﷺ سے جو بھی قول یا عمل صادر ہوا ہے اور آپ نے جو بھی فیصلے کئے ہیں وہ حسب ذیل آیات کی رو سے قرآن ہی سے ماخوذ اور قرآن فہمی کے تابع ہیں:

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ:

اور ہم نے تیرے پاس (کتاب) تذکرہ بھیج دی ہے، تاکہ تو لوگوں کے لئے ان باتوں کی وضاحت کر سکے جو ان کے پاس بھیجی گئی ہیں اور وہ (ان باتوں میں) غور کر سکیں۔ (نحل:۴۴)

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاکَ اللّٰهُ: ہم نے تیرے پاس یہ کتاب حقانیت کے ساتھ بھیج دی ہے تاکہ تو لوگوں کے درمیان اللہ کی فہمائش کے مطابق فیصلہ کر سکے۔ (نساء:۱۰۵)

چنانچہ اس موقع پر کلام الٰہی میں ''بما اراک اللہ'' کے جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ حد درجہ بلیغ اور قابل غور وجحت ہیں۔ اور اس کا واضح مفہوم یہی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے تمام فیصلے ''اراءت الٰہی'' یا ''اللہ کی فہمائش'' کے مطابق ہوا کرتے تھے، جو فہم قرآن ہی کے تابع تھے۔

چنانچہ اس سلسلے میں امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) کا قول ہے کہ امت (فقہی مسائل میں) جو کچھ بھی کہتی ہے وہ حدیث کی شرح ہے، اور حدیث جو کچھ کہتی ہے وہ قرآن کی شرح ہے۔

جمیع ما تقوله الامة شرح للسنة، وجمیع السنة شرح للقرآن. [۲۰]

اور اس سلسلے میں خود رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

إني لا احل إلا ما احل الله في كتابه، ولا احرم إلا ما حرم الله في كتابه: میں اپنی طرف سے کوئی چیز حلال نہیں کرتا سوائے اس کے جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے۔ اور میں اپنی طرف سے کوئی چیز حرام نہیں کرتا سوائے اس کے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا ہے۔[۱۲]

اس اعتبار سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن اور حدیث دونوں ایک ہی سرچشمہ سے صادر شدہ ہیں۔ زبان نبوت سے جو بھی بات نکلی ہے وہ کتاب اللہ ہی کی شرح وتفسیر ہے، چاہے وہ فقہی مسائل سے متعلق ہو یا غیر فقہی امور سے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ارشاد باری ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوىٰ. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوْحىٰ. (نجم: ۳-۴)

وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا۔ یہ تو وحی ہے جو اس پر آتی ہے۔

قدیم مفسرین کے انکشافات

بہرحال آیئے دیکھیں کہ سورج کی موت کے بارے میں قدیم مفسرین کیا کہتے ہیں؟ چنانچہ دنیائے اسلام کی سب سے قدیم تفسیر، ابن جریر طبریؒ (م ۳۱۰ھ) کی جامع البیان فی تفسیر القرآن قرار دی جاتی ہے، اور اس میں سورج کی ''تکویر'' یعنی اس کی بساط لپیٹے جانے کے سلسلے میں حسب ذیل حقائق ملتے ہیں، جو صحابہ وتابعین اور تبع تابعین سے منقول ہیں:

۱- حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ إِذَا لشَّمْسُ كُوِّرَتْ سے مقصود یہ ہے کہ وہ تاریک ہو جائے گا۔ (كُوِّرَتْ: أُظْلِمَتْ)

۲- حضرت ابن عباسؓ سے ایک دوسرا قول یہ بھی مروی ہے کہ سورج ناپید ہو جائے گا۔ (كُوِّرَتْ: ذَهَبَتْ)

۳- مجاہدؒ سے مروی ہے کہ وہ مضمحل ہو کر ختم ہو جائے گا۔ (اِضْمَحَلَّتْ وَذَهَبَتْ)

۴- قتادہؒ سے مروی ہے کہ اس کی روشنی ختم ہو جائے۔ (ذَهَبَ ضَوْءُ هَا)

۵- سعیدؒ سے مروی ہے کہ سورج اندھا ہو جائے گا۔ (غُوِّرَتْ: وَهِيَ بِالْفَارِسِيَّةِ كُوْرَ تَكُوْرَ)

۶-ضحاک سے مروی ہے کہ اس سے مراد سورج کا خاتمہ ہے۔(ذَهَابُهَا)

۷-ابوصالح سے مروی ہے کہ سورج اُلٹا دیا جائے۔(نُكِسَتْ)

۸-ابوصالح ہی سے مروی ہے کہ سورج نیچے ڈال دیا جائے گا۔(أُلْقِيَتْ)

۹-ربیع بن خثیم سے مروی ہے کہ سورج پھینک دیا جائے گا۔(رُمِيَ بِهَا)

اس کے بعد علامہ ابن جریر تحریر کرتے ہیں کہ کلام عرب میں تکویر کے معنی کسی چیز کے ایک حصے کو اس کے دوسرے حصے سے ملانے کے ہیں۔ جیسے پگڑی لپٹنا، جو سر پر باندھی جاتی ہے، یا جیسے کپڑوں کی گٹھری باندھی جاتی ہے۔ اسی طرح سورج کو لپٹنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے بعض حصے کو بعض سے ملا کر لپیٹا جائے اور اسے پھینک دیا جائے۔ اور جب یہ واقعہ ہوگا تو اس کی روشنی زائل ہو جائے گی۔ لہذا اس تاویل کی رو سے مذکورۂ بالا دونوں قسم کے اقوال (سورج کی روشنی کا زائل ہونا اور اسے پھینک دیا جانا) صحیح ہیں۔ نتیجہ یہ کہ جب سورج کو لپیٹ کر پھینک دیا جائے گا تو اس کی روشنی زائل ہو جائے گی۔

والتكوير في كلام العرب جمع بعض الشي إلى بعض . وذلك كتكوير العمامة وهو لفها على الراس، وكتكوير الكارة وهى جمع الثياب بعضها إلى بعض ولفها. وكذلك قوله إذا الشمس كورت، إنما معناه جمع بعضها إلى بعض، ثم لفت ورمي بها. وإذا فعل ذلك بها ذهب ضورها فعلى التاويل الذى تاولناه وبيناه لكلا القولين للذين ذكرت عن اهل التاويل وجه صحيح. وذلك انها إذا كورت ورمى بها ذهب ضوءها. [۲۲]

واضح رہے سورج کی تکویر یا اس کی بساط لپیٹ دینا بطور "استعارہ" ہے جو بلاغت کی ایک قسم ہے۔ اور اس اعتبار سے یہ انتہائی درجہ معنی خیز حقیقت ہے۔

بہر حال حیرت ہوتی ہے کہ علامہ موصوف نے جدید سائنسی تحقیقات سے ناواقفیت کے باوجود اس کی صحیح صحیح تاویل کس طرح کر دی جو عین مطابق واقعہ ہے! اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی

بات یہ کہ حضرت ابن عباسؓ سے لے کر ربیع بن خیثم تک تمام قدیم مفسرین کا تال اور سُر مشترک کس طرح بن گیا؟ الفاظ اگرچہ مختلف ہیں مگر نتیجہ سب کا ایک ہی ہے۔ لہذا اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انہوں نے یہ سب باتیں اپنے دل سے گھڑ کر پیش کی ہیں؟ ظاہر ہے کہ اگر بات ایسی ہوتی تو ان سب اقوال میں معنوی اتحاد ہرگز نہ پایا جاتا۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ یہ سب باتیں رسول اکرم ﷺ ہی سے سن کر بیان کی گئی ہوں گی۔ کیونکہ ایک ہی حقیقت کو مختلف اسالیب میں بیان کیا گیا ہے، جن میں کوئی تعارض وتضاد نہیں ہے۔ لہذا قرآن اور حدیث کے ساتھ ساتھ مفسرین اور راویان حدیث کی یہ مطابقت بھی اسلام کا ایک زبردست اعجاز نہیں تو پھر کیا ہے؟

راویانِ حدیث کی صداقت

واقعہ یہ ہے کہ یہ بات صرف ابن جریر طبریؒ ہی تک محدود نہیں، بلکہ اس سلسلے میں حدیث اور تفسیر کی تمام کتابوں میں ''تکویر'' اور انفطار'' وغیرہ کے تعلق سے بھی تمام حقائق مذکور ہیں، جو علمی حلقوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے بہت کافی ہیں۔ اور ان حقائق ومعارف کے ملاحظے سے ظاہر ہوتا ہے کہ دین میں تکوینیات یا سائنسی علوم کی کس قدر اہمیت ہے، جنہیں آج خود مسلمان نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ وہ علوم وحقائق ہیں جن کے ذریعہ آج ساری دنیا کو اٹھایا اور بٹھایا جاسکتا ہے اور ان کی بنیاد پر ایک ایسا فکری انقلاب لایا جاسکتا ہے جو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا علمبردار ہوگا اور احیائے علم اور احیائے دین کا باعث بنے گا۔ آج دین کی تجدید علم کی تجدید ہی پر موقوف ہے۔ کیونکہ موجودہ دور میں ''علم'' کو جو اہمیت حاصل ہوگئی ہے وہ سابقہ کسی بھی دور میں نہیں تھی۔

غرض آیئے اس سلسلے میں سب سے پہلے دنیائے اسلام کی سب سے زیادہ مستند ترین کتاب (کتاب اللہ کے بعد) ''بخاری'' سے اپنے مطالعہ کا آغاز کریں۔ چنانچہ امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) نے کتاب بدء الخلق'' (ابتدائے تخلیق) میں جہاں پر چاند اور سورج کی بعض صفات وخصوصیات کا تذکرہ کیا ہے، وہاں پر حضرت حسن بصریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ تکویر سے مراد سورج کی بے نوری ہے:

وقال الحسن: کورت تکور حتی یذھب ضوؤھا۔ [۴۳]

نیز علامہ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے "تفسیر القرآن العظیم" میں اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) نے تفسیر در منثور میں "تکویر" اور "انکدار" کی تفسیر میں تقریباً وہی تمام معانی پیش کیے ہیں جو تفسیر ابن جریر میں مذکور ہیں۔ مثلاً: (۱) أُظْلِمَتْ: تاریک ہوجائے گا۔ (۲) غُوِّرَتْ یا اُغْوِرَتْ: دھنسا دیا جائے گا۔ (۳) رُمِیَ بِھَا: پھینک دیا جائے گا۔ (۴) نُکِسَتْ: پھیر دیا جائے گا۔ (۵) اِضْمَحَلَّتْ کمزور ہوجائے گا۔ (۶) ذَھَبَ ضَوْءُھَا: اس کی روشنی زائل ہوجائے گی۔ (۷) وہ اندھا ہوجائے گا۔

اور "وَإِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ" کی تفسیر میں مختلف روایات کے تحت حسب ذیل اقوال منقول ہیں: (۱) تَغَیَّرَتْ ستارے بدل جائیں گے (۲) تَنَافَرَتْ: منتشر ہوجائیں گے۔ (۳) تَسَاقَطَتْ: جھڑ پڑیں گے۔ (۴) تَسَاقَطَتْ وَتَھَافَتَتْ: لڑکھڑا جائیں گے۔ [۴۴]

چنانچہ انہی تمام روایات کی بنا پر پورے ذخیرۂ تفسیر میں یہی سب اقوال گردش کررہے ہیں، جو بالکل صحیح ہیں۔ اور امام رازیؒ (م ۶۰۶ھ) نے لغوی اعتبار سے اس کے حسب ذیل معنی بیان کیے ہیں: (۱) تکویر کی دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ کسی چیز کو گولائی کے طور پر لپیٹنا، جس طرح کہ عمامہ لپیٹا جاتا ہے۔ اور اس اعتبار سے لفظ طَیّ، لَفّ، کَوْر اور تکویر سب ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے دھوبی کی گٹھری کو "کارۃ" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ تمام کپڑوں کو ایک کپڑے میں باندھ لیتا ہے۔ (۲) دوم یہ کہ اس سے مراد گرا دینا یا ڈھا دینا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: کورت الحائط ودھورتہ: یعنی میں دیوار کو دھکا دے کر گرا دیا۔ تو اس صورت میں إذا الشمس کورت کا مطلب ہوگا کہ سورج کو آسمان سے گرا دیا جائے گا۔ (القیت ورمیت عن الفلکِ)۔ نیز اس کے علاوہ ایک تیسرا قول بھی حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ یہ لفظ فارسی زبان سے ماخوذ ہے، جس کے معنی "کور" یعنی اندھے کے ہیں۔ [۴۵]

اسی بنا پر اہل لغت نے بھی یہی تمام معنی بیان کئے ہیں جو دوراول ہی سے مشہور ومقبول رہے ہیں۔ چنانچہ لسان العرب اور تاج العروس وغیرہ لغت کی تمام بڑی کتابوں میں یہی معانی ومطالب منقول ہیں۔ اور ان تمام کی مثالیں دینا اس موقع پر تطویل کا باعث ہوگا۔[26]

سورج اور چاند کا خاتمہ

یہ تھی سورج کی ''طبیعی موت'' کی داستان، جو عبرتوں اور بصیرتوں سے بھرپور ہے۔ اب ملاحظہ فرمایئے سورج کے ساتھ ساتھ چاند کی موت اور ان دونوں اجرام یعنی آفتاب وماہتاب کی مشترکہ داستان اور ان دونوں کا انجام۔

چنانچہ بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن آفتاب وماہتاب دونوں کی بساط لپیٹ دی جائے گی۔ (**الشمس والقمر مکوران یوم القیامة**)۔[27]

بعض دیگر روایات میں مذکور ہے کہ چاند اور سورج کو پیر کٹے ہوئے بیلوں کی طرح ''معذور'' بنا کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

الشمس والقمر ثوران عقیران فی النار.[28]

ایک اور حدیث کچھ اضافے کے ساتھ اس طرح آئی ہے کہ چاند اور سورج کو پیر کٹے ہوئے بیلوں کی طرح دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر اگر اللہ نے چاہا تو ان دونوں کو باہر نکالے گا ورنہ اسی میں رہنے دے گا۔

الشمس والقمر عقیران في النار، إن شاء اخرجهما وإن شاء تركهما.[29]

اس حدیث کو علامہ عبدالرؤف مناوی نے ضعیف قرار دیا ہے۔[30]

ان احادیث میں لفظ ''عقیران'' عقیر کا تثنیہ ہے، جو ''عقر'' سے ماخوذ ہے۔ اور اس کے

اصل معنی اونٹ یا بکری کے پیر تلوار سے کاٹ دینے کے ہیں۔[۳۱]

اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چانداور سورج کو "پیر کٹے ہوئے بیلوں" سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان کی "دوڑ" (جری) یا "تیراکی" (سباحت[۳۲]) روک دی جائے گی تو گویا کہ وہ "بے دست وپا" یا "معذور" بن کر رہ جائیں گے[۳۳]۔ ان کی دوڑ روکنے سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی "قوت کشش" (گراوٹیشن) ختم کردی جائے، جس کی وجہ سے وہ دوڑنے یا تیرنے کے قابل ہی نہ رہیں۔ تب انہیں جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔

اس موقع پر ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر چاند سورج کا قصور کیا ہے جنھیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا؟ اور یہ سوال اٹھانے والے امام حسن بصریؒ ہیں۔ تو اس کا جواب امام خطابیؒ نے اس طرح دیا ہے کہ: اس سے مقصود چانداور سورج کو عذاب دینا نہیں، بلکہ یہ بات چاند سورج کی عبادت کرنے والوں کی سرزنش کی غرض سے ہے، تاکہ وہ جان لیں کہ ان اجرام کی عبادت کرنا ایک باطل حرکت تھی۔[۳۴]

حافظ ابن حجرؒ نے عطاء بن یسارؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ارشاد باری: **وجمع الشمس والقمر** (اور آفتاب وماہتاب کو اکھٹا کردیا جائے گا۔ (سورۂ قیامہ:۹) اس سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں کو یکجا کرکے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔[۳۵]

اسلام ایک فطری اور سائنٹفک مذہب

اس بحث سے بخوبی ظاہر ہوگیا کہ چاند، سورج اور ستارے سب کے سب فانی چیزیں ہیں، جن کو بقا ودوام حاصل نہیں ہے۔ لہذا چاند ستاروں کی عبادت کرنا درست نہیں ہوسکتا۔ عبادت وبندگی تو اس کی کی جاتی ہے جو زندہ اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہو۔ مگر دنیائے انسانیت کی یہ بہت بڑی بدقسمتی ہے کہ غلط قیاس کی وجہ سے چاند سورج کو معبود ومسجود بنالیا گیا۔ چونکہ ان دونوں سے دنیا والوں کو روشنی اور

حرارت ملتی ہے اس لئے بعض قوموں نے انہیں معبودیت کے درجے پر فائز کردیا۔ چنانچہ ایک حدیث کے مطابق جو امام ابن سیرینؒ سے مروی ہے، مذکور ہے کہ (غلط) قیاس سے کام لینے والا اولین فرد ابلیس تھا۔ اور آفتاب وماہتاب کی پرستش بھی (غلط) قیاسات ہی کی بنیاد پر کی گئی۔ (اول من قاس ابلیس. وما عبدت الشمس والقمر إلا بالمقاييس)[۳۶]

اسی لئے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عبادت کسی مخلوق کی کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ عبادت تو اس کی کی جاتی ہے جو تمام مخلوقات کا خالق اور رب ہو۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ. لاَ تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلاَ لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ. (حم سجده: ۳۷)

رات دن اور آفتاب وماہتاب اس کی نشانیوں میں سے ہیں۔ تم سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو (بلکہ) اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے، اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔

اور آج علم وتحقیق کے اجالے میں یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہوچکی ہے کہ چاند سورج خالق نہیں مخلوق، معبود نہیں عابد اور متبوع نہیں بلکہ ادنیٰ درجے کے تابعدار ہیں، جو بہت جلد غائب ہونے والے ہیں۔ لہٰذا جن لوگوں نے ان کو معبود ومسجود بنا کر ان کی پرستش کی انہوں نے ایک فعل عبث ہی نہیں کیا بلکہ مخلوق کو معبود کے درجے میں رکھتے ہوئے خدا کی خدائی میں انہیں شریک کردیا، جو خلاق عالم کے نزدیک ایک ناقابل معافی جرم اور اسے غصہ دلانے والی بات ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے:

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ، أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ. (انبياء: ۹۸)

تم اور تمہارے وہ معبود جو اللہ کے سوا ہیں وہ سب یقیناً جہنم کا ایندھن ہیں، تم اس میں داخل ہو کے رہو گے۔

ظاہر ہے کہ مشرکین کا یہ انجام فطری اور سائنٹفک نقطۂ نظر سے بالکل مطابق واقعہ ہے۔ دیکھئے اسلام کے احکام اور اس کی عقلی حکمتیں اور بصیرتیں کہ وہ کس قدر گہرے تفکر وتعقل پر مبنی ہیں۔ کیا

ایسا پراز حکمت کلام جو اس کائنات کے اسرار سربستہ کی نقاب کشائی کرنے والا ہو، کوئی انسان پیش کرسکتا ہے؟ اسلامی تعلیمات میں قدم قدم پر عقل و دانش کا مظاہرہ نظر آتا ہے، جو نظام فطرت کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا اس کے من جانب اللہ ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔

حرکیات حرارت کا دوسرا قانون

دنیائے سماوات میں سورج اختتام کائنات کا شاہد عدل ہے جو ''انجام حیات'' کی گواہی دے رہا ہے۔ اور اس گواہی کو جھٹلانے والی کوئی چیز اس عالم آب و گل میں موجود نہیں ہے۔

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ. لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ: جب واقع ہونے والی چیز (قیامت) واقع ہوجائے گی۔ جس کے وقوع کو جھٹلانے والی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ (واقعہ:۱-۲)

اختتام کائنات کے سلسلے میں ایک واقعہ تو وہ ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ اور اس ضمن میں دوسرا واقعہ وہ ہے جسے ''حرکیات حرارت کا دوسرا قانون'' (سکنڈ لاء آف تھرموڈائنامکس) کہا جاتا ہے۔ چنانچہ طبیعاتی نقطہ نظر سے اس قانون کی رو سے بھی کائنات کا اختتام یقینی نظر آتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس رفتار سے ہماری کائنات میں حرارت کی تقسیم ہو رہی ہے اس کے نتیجے میں ایک دن ایسا ضرور آنے والا ہے جب کہ اس کائنات کے تمام مظاہر یکساں درجہ حرارت پر پہنچ جائیں گے۔ اس وقت کائنات کی کوئی بھی چیز نہ گرم رہے گی اور نہ سرد۔ اور یہ درجہ حرارت اس قدر کم ہوگا کہ جاندار اشیاء کا زندہ رہنا ممکن نہ رہے گا۔

چنانچہ اس سلسلے میں مشہور سائنس داں سر جیمز جینس تحریر کرتا ہے: ''طبیعیات کا وہ اصول جو علم حرکیات حرارت کے اصول ثانی کے نام سے مشہور ہے یہی پیش گوئی کرتا ہے کہ کائنات کا صرف ایک ہی انجام ہوسکتا ہے اور وہ ہے قلت حرارت کی موت۔ یعنی ہوگا یہ کہ تمام کائنات میں حرارت کی تقسیم یکساں ہوجائے گی اور ہر جگہ یکساں درجہ حرارت پیدا ہوجائے گا، جو اس قدر کم ہوگا کہ حیات کا زندہ رہنا ناممکن ہوجائے گا''۔ (۳۷)

ستارے امن کے پیامبر

اس بحث سے معلوم ہوا کہ اس کائنات میں ایک ہمہ دان (سب کچھ جاننے والی) اور ایک زبردست قوت والی ہستی ضرور موجود ہے، جس کے اشاروں پر یہ کائنات وجود میں آئی ہے اور اس کے ایک اشارے پر یہ فنا ہو جائے گی۔ چاند، سورج، ستارے اور کہکشائیں سب کے سب اسی کے حکم کے تابع اور فرمانبردار ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ، يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيْثًا. وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِهٖ. اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ. تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ. (اعراف: ۵۴)

تمہارا رب یقیناً اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن (چھ مدارج) میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔ وہ رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے، جو اس کے پیچھے تیزی سے آ جاتی ہے۔ اور سورج، چاند اور ستارے (سب کے سب) اس کے حکم کے تابع ہیں۔ جان لو کہ (تمام مخلوقات کو) پیدا کرنا اور ان پر حکم چلانا اسی کا کام ہے۔ اللہ بڑی برکت والا ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ، وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ. (نحل: ۱۲)

اور اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے۔ اور اسی کے حکم سے ستارے بھی زیر قابو ہیں۔ ان مظاہر میں سمجھنے والوں کے لئے (بہت سی) نشانیاں (دلائل ربوبیت) موجود ہیں۔

اس لحاظ سے چاند ستارے اور تمام اجرام سماوی حکم الٰہی کے منتظر ہیں۔ جیسے ہی حکم ہو گا یہ سب کے سب فنا ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ستارے آسمان کے لئے امن (کی نشانی) ہیں۔ جب وہ نیست و نابود ہو جائیں گے تو وقت موعود آ جائے گا۔

النجوم امنة السماء. فإذا ذهبت النجوم اتى السماء ما توعد.[۳۸]

کسوف وخسوف اور حکمت نبوی

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ کسوف وخسوف (سورج گرہن اور چاند گرہن) کے جو مناظر ہر سال ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں وہ ایک حیثیت سے ہمارے لئے ایک تنبیہ کا درجہ رکھتے ہیں کہ چاند اور سورج کی روشنی کچھ لمحوں یا کچھ گھنٹوں کے لئے ہماری نگاہوں سے جو غائب ہو جاتی ہے، وہ قیامت کی یاد دلانے کی غرض سے ہے، تاکہ انسان غفلت کی نیند سے بیدار ہو اور اللہ کی طرف رجوع وانابت کا راستہ اختیار کرے۔ اسی بنا پر رسول برحق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے چاند اور سورج کو اللہ کی نشانیاں قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

إن الشمس والقمر لا ينكسفان لموت احد من الناس، ولكنهما آيتان من آيات الله. فإذا رايتموهما فقوموا فصلوا.[۳۹]

سورج اور چاند کو کسی شخص کی موت کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ لیکن یہ دونوں مظاہر اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ جب تم انہیں (سورج گرہن اور چاند گرہن کو) دیکھو، تو نماز پڑھو۔

قدیم زمانے میں لوگوں کا یہ غلط عقیدہ تھا کہ سورج گرہن اور چاند گرہن کسی بڑے آدمی کی موت کے باعث واقع ہوتے ہیں۔ لہذا آپ ﷺ نے اس کی تردید فرمائی۔ لیکن اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسوف وخسوف کے موقع پر رسول اکرم ﷺ نے نماز پڑھنے کا حکم کیوں دیا؟ تو اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ پچھلے صفحات میں مذکور حقائق کے مطابق ہمارا سورج کسی بھی وقت اچانک ایک ''سرخ دیو'' بن کر پھٹ سکتا ہے۔ چنانچہ جارج گیمو کے بیان کے مطابق ''اندازہ لگایا گیا ہے ہماری کائنات میں اب تک چالیس ارب ستارے پھٹ چکے ہیں''۔[۴۰]

لہذا ہوسکتا ہے کہ سورج گرہن کے موقع پر اچانک اس کی موت اور وقوع قیامت کا اعلان

کر دیا جائے۔ غالباً یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ''آخری وقت'' میں رجوع الی اللہ اور توبہ واستغفار کی غرض سے نماز اور دعا کی دعوت دی ہو، تا کہ اہل اسلام کا خاتمہ بالخیر ہو سکے۔

واضح رہے اس موقع پر راقم سطور نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ بعض احادیث کی روشنی میں ایک قوی امکان نظر آتا ہے۔ چنانچہ بخاری کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں جب سورج گرہن واقع ہوا تو آپ فوراً نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور حالت یہ تھی کہ آپ اپنی چادر مبارک کھینچتے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے۔ اور یہ کیفیت اس بنا پر تھی کہ آپ پر شاید گھبراہٹ طاری ہوگئی تھی۔ اور پھر آپ نے ہمارے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی، یہاں تک کہ سورج گرہن زائل ہوگیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کسی کی موت کی وجہ سے گہناتے نہیں۔ جب تم انہیں دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو یہاں تک کہ وہ ختم ہو جائے۔ چنانچہ یہ حدیث بخاری میں حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہے، جس کے اصل الفاظ یہ ہیں:

قال، كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فانكشفت الشمس، فقام النبي صلى الله عليه وسلم يجر رداء ه حتى دخل المسجد، فدخلنا فصلى بنا ركعتين، حتى انجلت الشمس. فقال النبي صلى الله عليه وسلم: إن الشمس والقمر لا ينكسفان لموت احد فإذا رايتموهما فصلوا وادعوا حتى ينكشف مابكم. [۴۱]

بخاری ہی کی ایک اور حدیث کے مطابق مخبر صادق حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اس مظہر قدرت کو دیکھو تو اللہ سے دعا مانگو، تکبیر کہو، نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔ پھر فرمایا کہ اے امت محمد! تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اللہ سے زیادہ غیرت مند ہو، جب کہ اس کا کوئی بندہ یا اس کی کوئی بندی زنا کرے۔ اے امت محمد! اللہ کی قسم اگر تم وہ باتیں جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنسو گے اور بہت زیادہ روؤ گے۔ [۴۲]

ایک اور حدیث کے مطابق مذکور ہے کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کو ڈرانے کی غرض سے کسوف وخسوف کو وقوع میں لاتا ہے۔

إن الشمس والقمر آیتان من آیات الله، لاینکسفان لموت احد، ولکن الله تعالیٰ یخوف بهما عباده. [۴۳]

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ یہ دونوں مظاہر اللہ کی آیتوں (نشانات ربوبیت) میں سے ہیں، جو کسی کی موت یا حیات کے باعث گہناتے نہیں۔ لہذا جب تم ان مظاہر کو دیکھو تو گھبراہٹ کے ساتھ نماز کے لئے دوڑ پڑو۔

قال: هما آیتان من آیات الله، لا یخسفان لموت احد ولا لحیاته، فإذا رایتموهما فافزعوا إلى الصلاة. [۴۴]

واضح رہے اس موقع پر لفظ ''فزع'' لایا گیا ہے، جس کے اصل معنی خوف کے ہیں۔ اس موقع پر اس سے مراد یہ ہے کہ تم ایسے وقت نماز میں پناہ لو اور اللہ سے دعا مانگو تا کہ یہ حادثہ (بخیر وخوبی) ٹل جائے۔

(فافزعوا إلى الصلاة) اي الجاوا إليها. واستعينوا بها على دفع الامر الحادث. [۴۵]

ان تمام احادیث سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ کسوف وخسوف میں کوئی بہت بڑا راز پوشیدہ ہے، اور یہ مظاہر وقوع قیامت کی واضح علامتوں میں سے ہیں۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ قیامت ایسے ہی مواقع پر واقع ہو جائے۔ اور یہ بات اس لحاظ سے بھی بہت ممکن نظر آتی ہے کہ جب چاند، سورج اور زمین تینوں ایک لائن میں آ جائیں تو اس وقت سورج اچانک ایک ''سرخ دیو [۴۶]'' بن کر دھماکے کے ساتھ پھٹ جائے۔ جس کے نتیجے میں وہ ''سفید بونا [۴۷]'' بن کر ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ اس طرح غالباً اس کی قوت ''جذب وکشش'' ختم ہو جائے گی اور پھر یہ تینوں اجرام آپس میں ٹکرا کر ختم ہو جائیں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایسے موقع پر ہمارے نظام شمسی کے دیگر سیارے بھی ایک ہی لائن میں ہوں (جیسا کہ بعض مواقع پر

ہوتا ہے) اور سب کے سب یکبارگی ٹکرا کر فنا ہوجائیں۔ اس قسم کے امکانات کو سمجھنا جدید فلکیاتی نظریات کی رو سے بہت آسان ہوگیا ہے۔ لہذا قرآن اور حدیث کے حقائق تحقیقات جدیدہ کی روشنی میں کھل کھل کر سامنے آرہے ہیں، جو ہمارے ایمان میں اضافے کا باعث ہیں۔ اسی لئے ارشاد باری ہے کہ قرآن عظیم نہ صرف "ہر چیز کی وضاحت کرنے والا" اور اہل ایمان کو خوشخبری سنانے والا ہے، بلکہ وہ ان کے قدموں کو جمانے والا بھی ہے، تاکہ دنیوی افکار و حوادث ان کے پائے ثبات کو لرزا نہ سکیں۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ.

ہم نے آپ پر ایک ایسی کتاب اتاری ہے جو ہر چیز کی خوب وضاحت کرنے والی ہے۔ اور وہ مسلمانوں کے لئے ہدایت، رحمت اور خوشخبری ہے۔ (نحل:۸۹)

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ: کہدو کہ اس کلام کو روح القدس نے تیرے رب کی جانب سے حقانیت کے ساتھ اتارا ہے، تاکہ وہ ایمان والوں کے قدموں کو جما دے۔ اور وہ اہل اسلام کے لئے ہدایت اور خوش خبری ہے۔ (نحل:۱۰۲)

کائنات کی منصوبہ بندی

اس بحث سے بخوبی واضح ہوگیا کہ یہ پوری کائنات ایک منصوبہ بند عمل ہے، نہ کہ کوئی الل ٹپ وجود۔ اور اس کائنات کی کوئی بھی چیز اس حقیقت عظمیٰ کی تکذیب کرنے والی موجود نہیں ہے۔ بلکہ اس جہاں آب و خاک کے تمام مظاہر اسی کی شہادت دے رہے ہیں اور سب کا ایک ہی "راگ" ہے کہ یہاں کی ہر چیز آنی جانی ہے اور چاند ستارے بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ایک ہمہ گیر "قانون قدرت" ہے۔ چنانچہ اس خدائی حکمت اور منصوبہ بندی کا اظہار حسب ذیل آیات میں کیا گیا ہے:

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا: اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ایک اندازہ (منصوبہ) مقرر کیا۔ (فرقان:۲)

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ: ہم نے ہر چیز یقیناً ایک اندازے (منصوبے) کے ساتھ پیدا کی ہے۔ اور (کسی چیز کے وقوع کے بارے میں) ہمارا حکم بس ایک بات ہے (کہ ہو جا، اور وہ چیز ہو جاتی ہے) جیسا کہ پلک کا جھپکنا۔ (قمر:۴۹-۵۰)

چنانچہ اس کائنات میں تمام واقعات اسی خدائی پلان اور منصوبہ بندی کے تحت رونما ہو رہے ہیں۔ اسی لئے فرمانِ خداوندی ہے کہ ہم نے یہ کائنات کھیل کود میں یا الل ٹپ پیدا نہیں کی۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ: اور ہم نے زمین و آسمان اور ان دونوں کے درمیان مظاہر کو کھیل کود میں پیدا نہیں کیا۔ (انبیاء:۱۶)

بہر حال اس خدائی منصوبہ بندی کے تمام "اصول و ضوابط" قرآن اور نظامِ کائنات کی تطبیق کے ذریعہ دو اور دو چار کی طرح بالکل واضح ہو کر سامنے آ جاتے ہیں۔ جیسا کے حسب ذیل آیت کریمہ اس خدائی ضابطے کا اعلان کر رہی ہے:

اَللّٰهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ، وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ: اللہ وہی ہے جس نے کتاب اور میزان دونوں کو حقانیت (مطابقت) کے ساتھ اتارا ہے۔ اور تجھے کیا معلوم کہ شاید قیامت قریب ہی ہو۔ (شوریٰ:۱۷)

اس موقع پر میزان سے مراد یہ پوری کائنات ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس کائنات کی ہر چیز اپنے نفیس ترین طبیعی ضوابط کی رو سے "میزان" کا ایک نمونہ ہے۔ یعنی اس جہانِ رنگ و بو کی ہر چیز بالکل "نپے تلے" انداز میں رواں دواں ہے اور ان کے اصولوں میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہو رہی ہے، چاہے وہ ایک ننھا سا ایٹم ہو یا ایک مکمل نظامِ شمسی۔ تمام حیوانات و نباتات اور جمادات و سماوات سب کے سب طبیعی ضوابط کے پابند ہیں۔ اور پھر یہ تمام "اجزائے کائنات" مل کر ایک عظیم اور منظم عمل کی نشاندہی کر رہے ہیں، جس کی تعبیر کے لئے "میزان" سے بہتر لفظ نہیں ہو سکتا۔ اگر اس نقطۂ نظر سے مظاہرِ کائنات کی مفصل شرح و تفسیر کی جائے تو اس کے لئے دفتروں کے دفتر بھی ناکافی ہوں گے۔ میزان کے اس مفہوم کی تائید حسب ذیل آیات سے بھی ہوتی ہے، جن کے مطابق خلاقِ عالم نے زمین سے لے کر

آسمان تک تمام مظاہر فطرت کو ایک "میزانی ضابطے" کا پابند بنا رکھا ہے:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ. وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ. وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ. اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ. (رحمن:۵-۸)

سورج اور چاند ایک حساب سے چل رہے ہیں۔ نجم و شجر سربسجود ہیں۔ (چنانچہ) اللہ نے آسمان کو اونچا اٹھایا اور (زمین سے آسمان تک) میزان رکھ دی۔ (پھر تمام مظاہر کائنات کو حکم دیا کہ) تم اس میزان سے تجاوز نہ کرو۔

میزان کیا ہے؟

ان آیات کریمہ میں تین بنیادی حقائق بیان کئے گئے ہیں:

۱- تمام مظاہر کائنات قانون الٰہی کے پابند ہیں۔ چنانچہ اس مقصد کی تعبیر کے لئے آفتاب و ماہتاب کے ایک حساب سے چلنے اور نجم و شجر کی طبعی اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعہ اشارہ کیا گیا ہے۔ مفسرین نے لفظ "نجم" کے دو معنی بیان کئے ہیں: ایک بغیر تنے والی بیل، اور دوسرے آسمانی ستارہ[۴۸]۔ غرض اس موقع پر بعض آسمانی اور بعض زمینی مظاہر کا تذکرہ کر کے گویا کہ یہ اشارہ کر دیا کہ زمین سے آسمان تک تمام مظاہر ایک مقررہ قانون کی پابندی کرتے ہوئے گویا کہ اللہ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ یعنی طبعی اعتبار سے اس کی اطاعت و فرمانبرداری کر رہے ہیں، اس کی حکم عدولی نہیں کر سکتے۔ اس موقع پر درختوں کے سجدہ کرنے کا مفہوم کیا ہے؟ تو اس کی تاویل دو طرح سے کی گئی ہے: (الف) یہ سجدہ انقیادی اعتبار سے ہے (وسجودهما انقيادهما لله فيما خلقا له)[۴۹]۔ (ب) درختوں کے سائے صبح شام سجدہ ریز رہتے ہیں۔ (واما يسجدان فانه عنى به سجود ظلهما)[۵۰]

اس موقع پر علامہ ابن جریرؒ نے اپنے اس قول کی تائید میں حسب ذیل آیت پیش کی ہے:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ

وَالآصَالِ. (رعد: ۱۵)

زمین اور آسمانوں میں جو کوئی بھی ہے وہ چار و ناچار اللہ ہی کے لئے سجدہ ریز ہے، اور صبح وشام ان کے سائے بھی (سر بسجود ہیں)۔

اسی طرح حسب ذیل آیت کریمہ اس حقیقت پر دلیل ناطق ہے کہ تمام موجودات عالم اللہ تعالیٰ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ یعنی طبیعی ضوابط کی رو سے اس کی اطاعت وفرمانبرداری میں لگے ہوئے ہیں:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ. (حج: ۱۸)

اے مخاطب! کیا تو نے مشاہدہ نہیں کیا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے وہ اللہ ہی کو سجدہ کر رہا ہے، اور سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور بہت سے لوگ بھی (اس کو سجدہ کر رہے ہیں؟)

اس اعتبار سے اس کائنات کی کوئی بھی شے خدائی حدود وضوابط سے آزاد نہیں ہے کہ وہ جو چاہے کرے۔ بلکہ سب کے سب ایک ہمہ گیر قانون اور نظام میں جکڑے ہوئے ہیں۔

واضح رہے لفظ ''سجود'' کے اصل معنی لغت کی رو سے خود سپردگی اور اطاعت کے ہیں۔ (اصل السجود الاستسلام والانقیاد للہ عزوجل) [۱۵]

۴- خالق کائنات نے آسمان کو اونچا کر کے ایک ''میزان'' رکھ دی ہے۔ یعنی زمین سے آسمان تک ایک ''میزانی نظام'' قائم کر دیا ہے۔ چنانچہ جمادات کا ایک نظام ہے، نباتات وحیوانات کا اپنا ایک الگ نظام ہے، اور سماوات یا اجرام سماوی کا ایک منفرد نظام ہے۔ اس طرح سب کے سب اپنے اپنے نظاموں کی پابندی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر رہے ہیں۔ چنانچہ ان نظاموں کے تفصیلی مطالعے کے لئے کئی ضخیم جلدیں درکار ہوں گی۔ لیکن پھر بھی ان کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ انسانی علم نہایت درجہ ناقص ہے، اگرچہ اس نے طبیعی وحیاتیاتی علوم میں بے انتہا ترقی کر لی ہے۔ اور ایک نکتے سے

ایٹم کا سینہ تک چیر کر اسرار و معارف کی ایک دنیا دریافت کر لی ہے۔ غرض ارض وسما، آفتاب و ماہتاب، دریا و پہاڑ، حجر و شجر، مرغ و ماہی اور حیوان و انسان سب کے سب ایک متعین ومحکم نظام اور قانون ربوبیت میں بندھے ہوئے ہیں۔

میزان سے کیا مراد ہے؟ اس میں مفسرین کے تین اقوال ہیں: (الف) زیادہ تر لوگوں کا قول ہے کہ اس سے مراد ''عدل'' ہے۔ (۲) اس سے مراد ترازو ہے۔ (یعنی تولنے والی شے)۔(۳) اس سے مراد قرآن ہے۔ [۵۲]

راقم سطور نے اوپر جو تشریح کی ہے وہ پہلے قول کے مطابق ہے، یعنی تمام موجودات عالم اپنے طبیعی نظاموں کے ذریعہ 'عدل' کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ مگر میں نے جو مفہوم بیان کیا ہے وہ وسیع تر معنی پر دلالت کرتا ہے۔ جب کہ قدیم مفسرین کا مفہوم ذرا محدود ہے۔ چنانچہ قدیم مفسرین میں سے حضرت مجاہدؒ اور حضرت قتادہؒ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں عدل قائم کر کے اس پر چلنے کا حکم دیا ہے۔

اي وضع في الارض العدل الذي امر به. [۵۳]

اور علامہ بیضاویؒ نے اس مفہوم کی تشریح اس طرح کی ہے کہ میزان سے مراد 'عدل' ہے، جس کو اس نے ہر ذی استعداد اور ہر حق دار کو اس کا حق بافراط عطا کیا، جس کے باعث اس عالم کا معاملہ منظم اور درست ہو گیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''عدل ہی کے ذریعہ ارض و سماوات قائم ہیں''۔

(ووضع الميزان) العدل، بان وفر على كل مستعد مستحقه، وفي كل ذي حق حقه، حتى انتظم امر العالم واستقام، كما قال عليه السلام "بالعدل قامت السماوات والارض". [۵۴]

رسول اکرم ﷺ کی یہ تشریح وسیع مفہوم پر دلالت کر رہی ہے اور اس میں زمین و آسمان میں موجود تمام مظاہر آ سکتے ہیں۔ اور اس اعتبار سے یہ قرآنی لفظ میزان کی صحیح تفسیر ہے۔

۳- اور اس سلسلے میں تیسری حقیقت یہ ہے کہ تمام مظاہر فطرت کو حکم دیا گیا ہے کہ کوئی بھی

اس میزان سے تجاوز نہ کرے۔ یعنی خلاق عالم نے جس چیز کے لئے جو ضابطہ مقرر کردیا ہے اس سے وہ تجاوز نہ کرے۔ چنانچہ زجاج سے منقول ہے کہ یہاں پر ''الا تطغوا'' کے معنی ''لا تجاوزا العدل'' کے ہیں یعنی عدل الٰہی سے آگے نہ بڑھو۔[۵۵]

اور علامہ ابن کثیرؒ نے (الا تطغوا فی المیزان) کی تفسیر میں تحریر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارض وسماوات کو حقانیت اور عدل کے ساتھ پیدا کیا ہے، تاکہ تمام اشیاء حقانیت اور عدل کے ساتھ قائم رہیں۔

ای خلق السموات والارض بالحق والعدل، لتکون الاشیاء کلھا بالحق والعدل.[۵٦]

چنانچہ آپ اس عالم رنگ وبو کی کسی بھی چیز کا طبیعی (فزیکل) کیمیائی (کیمیکل)، حیاتیاتی (بیالوجیکل)، عضویاتی (آرگینیکل)، تشریحی (اناٹومیکل) اور فعلیاتی (فزیالوجیکل) وغیرہ کسی بھی نقطۂ نظر سے جائزہ لیجئے، ہر چیز ایک نظام اور قانون کی پابند نظر آئے گی، جس سے وہ تجاوز نہیں کر رہی ہے۔ بالفاظ دیگر اشیائے عالم میں بے قاعدگی، انتشار یا لاقانونیت نہیں ہے۔ مظاہر کائنات کے یہ نفیس ترین اور بے داغ قواعد وضوابط ایک زبردست قوت والی اور کرشمہ ساز ہستی کے وجود کی خبر دے رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے باضابطہ اور حکیمانہ قوانین ایک ضابطہ ساز ہستی کے وجود کے بغیر خود بخود یا آپ سے آپ ظاہر نہیں ہوسکتے۔ اس اعتبار سے وجود باری کا عقیدہ کسی تاریک دور کی بات یا کوئی خرافاتی چیز نہیں بلکہ علمی اور سائنٹفک نقطۂ نظر سے ایک روشن ترین حقیقت ہے۔ اور اس حقیقت عظمیٰ کا انکار ایک غیر سائنٹفک بات بلکہ ''تاریک خیالی'' کی علامت ہے۔

طبیعی وشرعی میزان

اوپر جو کچھ کہا گیا وہ طبیعیاتی نقطۂ نظر سے ان آیات کریمہ کی شرح وتفسیر تھی۔ پھر اس کے بعد والی آیت میں انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وَاَقِیْمُوْا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلاَ تُخْسِرُوْا الْمِیْزَانَ: اور تم وزن کو انصاف کے ساتھ قائم کرو، اور میزان میں کمی وبیشی نہ کرو۔ (رحمٰن:۹)

ان آیات کا حاصل یہ ہے چونکہ پوری کائنات نقاش فطرت کے بنائے ہوئے ضابطوں کے مطابق چل رہی ہے اس لئے نوع انسانی کو چاہئے کہ وہ بھی اپنے اس رب مہربان کے شرعی واخلاقی ضوابط کو قبول کر کے مظاہر کائنات کی ہمساز ودمساز بن جائے اور ان کے سُر میں اپنا سُر ملا کر بارگاہ الٰہی میں سربسجود ہو جائے، تا کہ پوری کائنات میں طبیعی وشرعی دونوں لحاظ سے یکسانیت پیدا ہو جائے۔ اس کے نتیجے میں طبیعی وشرعی دونوں ''میزانیں'' مل کر ایک عظیم الشان میزان بن جائے گی۔ چنانچہ انبیائے کرام کی سیرتیں ''شرعی میزان'' کا مکمل نمونہ ہوتی ہیں اس لئے ان کی سیرتوں کو ایک آئیڈیل قرار دے کر ان کی اتباع کرنے کی تاکید اس طرح کی گئی ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتَابَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ: ہم نے اپنے رسولوں کو یقیناً کھلی نشانیوں کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتار دی ہے، تا کہ لوگ عدل پر قائم ہو جائیں۔ (حدید:۲۵)

بہر حال سورۂ رحمان کی مذکورۂ بالا آیات کے بعد پوری سورت میں نوع انسانی کو ''دعوت رُبوبیت'' دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احسانات جتائے گئے ہیں، جو بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر لانے کا ایک عقلی اور پیار بھرا طریقہ ہے۔ اور اس میں آخرت میں دئے جانے والے انعامات کا تذکرہ بھی ہے۔ اس اعتبار سے اس میں ''ترغیب'' کا پہلو غالب ہے۔

میزان صغریٰ ومیزان کبریٰ

حاصل بحث یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں دو قسم کی میزانیں نازل کی ہیں: ایک میزان کبریٰ اور دوسری میزان صغریٰ۔ اور ان دونوں میں مطابقت پیدا کرنے کی غرض سے نوع انسانی کو دعوت دی ہے کہ وہ میزان صغریٰ (انبیائے کرام کی سنت) کی پیروی کرتے ہوئے میزان کبریٰ سے اپنے آپ

کو ہم آہنگ کرلیں، جس کے نتیجے میں انسان کی عاقبت درست ہو جائے گی اور وہ قیامت کے دن عذاب الہیٰ سے بچ جائے گا۔ ورنہ اپنے رب سے بغاوت اور سرتابی کے باعث اس کا انجام بُرا ہوگا۔ یہ ہے اسلام کی عقلی اور سائنٹفک دعوت، جو مدلل اور حکیمانہ و ناصحانہ انداز میں مذکور ہے۔ اس اعتبار سے اسلام کی دعوت اور اس کی تعلیمات دور وحشت کی یادگار نہیں بلکہ موجودہ علمی و عقلی دور کی ایک ضرورت ہے۔ اور اس حقیقت افروز دعوت کا انکار انتہائی بدنصیبی کی علامت ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ وہ ضد وہٹ دھرمی کا راستہ ترک کر کے اس غیبی آواز پر کان دھرے اور اپنی عاقبت کی فکر کرے۔

قرآن اور کائنات کی مطابقت

اوپر سورۂ شوریٰ کی حسب ذیل آیت پیش کی گئی تھی:

اَللّٰهُ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ، وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ:

اللہ وہی ہے جس نے کتاب اور میزان دونوں کو حقانیت (حکمت و مطابقت) کے ساتھ اتارا ہے۔ اور تجھے کیا معلوم کہ شاید قیامت قریب ہی ہو۔ (شوریٰ:۱۷)

اس موقع پر "حق" کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ اس کائنات اور کتاب الہیٰ کے ساتھ مطابقت پر دلالت کر رہا ہے۔ چنانچہ امام راغبؒ نے تحریر کیا ہے کہ لفظ "حق" کے اصل معنیٰ "مطابقت" کے ہیں۔ (اصل الحق المطابقة والموافقة)۔ اور اس کا استعمال چار طرح سے ہوتا ہے، جن میں سے ایک صورت یہ کہ کوئی ایجاد کردہ چیز حکمت کی مقتضی ہو۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کے فعل کو تمام تر حق کہا جاتا ہے۔ [۵۷]

اس اعتبار سے مقصود یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ قرآن اور کائنات دونوں کو حکمت اور ایک دوسرے کی مطابقت کے طور پر نازل کیا ہے۔ اور اس کے بعد قیامت کے قریب ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ان دونوں کے تقابل سے نہ صرف وقوع قیامت بلکہ اس کے قریب ہونے کے دلائل بھی منقح ہو کر سامنے آجاتے ہیں، جن میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں رہتا۔ یہی وہ راز خدائی ہے جس کی بنا

پر ان دونوں کو ایک دوسرے کا مصدق ومؤید بنایا گیا ہے۔

اصول دین کا اثبات

خلاصہ یہ کہ قرآن اور کائنات کی مطابقت سے تمام اصول دین (دینی عقائد) کا اثبات عین الیقین اور حق الیقین کے طور پر ہو جاتا ہے۔ لہذا قرآن عظیم کو اصول دین کے اثبات کی غرض سے نظام کائنات کے مطابق بنایا گیا ہے، نہ کہ اسے اکتشافات جدیدہ کا ''خبرنامہ'' بنا دینا، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال خام ہے۔

بہرحال ان مباحث سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ مطالعہ کائنات کے باعث خدا کا وجود بھی ثابت ہوتا ہے اور یوم آخرت کا اثبات بھی۔ اور اس کے ساتھ ہی کتاب الٰہی اور رسالت کی حقانیت اور دیگر تمام عقائد کا بھی اثبات ہوتا ہے۔ اور یہ سب کچھ علمی وعقلی اور سائنٹفک دلائل کی روشنی میں واضح ہوتا ہے، جن کے ملاحظے کے بعد اصول دین کی حقانیت میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں رہ جاتا۔ بلکہ ان دلائل کے ملاحظے سے ایمان میں ''پختگی'' پیدا ہوتی ہے اور یقین کی کیفیت بڑھ جاتی ہے، جو کہ اصل مقصود ہے۔ اسی لئے ارشاد باری ہے:

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ، اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ: اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حقانیت (حکمت ومطابقت) کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ ان مظاہر میں اہل ایمان کے لئے ایک بڑی نشانی موجود ہے۔ (عنکبوت: ۴۴)

قرآن اور کائنات کے اسرار سربستہ

قرآن حکیم ایک حیثیت سے نہایت درجہ آسان ہے، جس سے ہر عالم اور عامی بخوبی استفادہ کر سکتا ہے۔ مگر دوسری حیثیت سے وہ انتہائی مشکل اور غامض بھی ہے، جس سے صرف اخص الخواص ہی مستفید ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ تمام علمی حقائق کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور یہ حقائق قرآن

کے "سطحی مطالعے" سے واضح نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اس کے لیے علوم وفنون کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرنی پڑتی ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا گیا ہے:

كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوْا آيَاتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوْا الْاَلْبَابِ: یہ مبارک کتاب ہم نے آپ کے پاس (اس لئے) بھیجی ہے، تاکہ (اہل علم) اس کی آیات میں غور کریں اور پختہ عقل والے (اس کے انوکھے مضامین کے ملاحظے سے) متنبہ ہو سکیں۔ (ص:۲۹)

اور حسب ذیل آیات کے ملاحظے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین اور آسمانوں کے تمام رازوں سے بخوبی آگاہ ہے، جو مظاہر کائنات کے نظاموں میں پوشیدہ ہیں۔ اور یہ رازہائے فطرت قرآن اور کائنات کی مطابقت سے دو اور دو چار کی طرح بغیر کسی تاویل کے سامنے آتے ہیں۔ اسی بنا پر قرآنی آیات کے ساتھ ساتھ مظاہر کائنات اور ان کے نظاموں میں غور وخوض کر کے خداوند قدوس کے ان تخلیقی رازوں کو منظر عام پر لا کر نوع انسانی کی ہدایت ورہنمائی کا فریضہ انجام دینے کی دعوت دی گئی ہے۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ: کہدو کہ اس قرآن کو اس نے اتارا ہے جو زمین اور اجرام ساوی کے (تمام) بھیدوں کو جانتا ہے۔ (فرقان:۶)

وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ: آسمان اور زمین میں ایسی کوئی پوشیدہ چیز (راز سربستہ) نہیں ہے جو (اس) کتاب روشن میں نہ ہو۔ (نمل:۷۵)

اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعَالَمِيْنَ: کیا اللہ کائنات کے سینے میں موجود (بھیدوں) کا جاننے والا نہیں ہے؟ (عنکبوت:۱۰)

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ: کیا یہ لوگ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز نہ ہوں گے جو زمین اور آسمانوں میں موجود پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کر دیتا ہے؟ (نمل:۲۵)

دیکھئے ان چاروں آیتوں میں ایک ہی حقیقت مختلف پیرایوں میں بیان کی گئی ہے، اور الفاظ بھی بدل بدل کر لائے گئے ہیں۔ چنانچہ "سر" "غائبة" اور "خبء" تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں۔ پہلی

آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمانوں یا کائنات میں موجود تمام اسرار سربستہ کا جاننے والا ہے۔ دوسری آیت میں خبر دی گئی ہے کہ یہ تمام رازہائے سربستہ کتاب حکمت میں موجود ہیں۔ ان دونوں آیتوں کو ملانے سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ نظام فطرت کے تمام رازوں سے باخبر ہے، اس لئے اس نے ان بھیدوں کو اپنی کتاب میں درج کر دیا ہے۔ چنانچہ تیسری آیت کے مطابق جو سوالیہ انداز میں ہے، نوع انسانی سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کائناتی بھیدوں سے ناواقف ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ بات اسی وقت درست ہو سکتی ہے جب کہ قرآن اور تحقیقات جدیدہ کی مطابقت ظاہر ہو جائے۔ ورنہ یہ مفہوم بے معنی بن کر رہ جائے گا۔ چنانچہ اس آیت کے مطابق کائناتی حقائق کے ظہور کے بعد ہی چوتھی آیت کی صداقت ظاہر ہو سکتی ہے، ورنہ یہ مفہوم صادق نہ آ سکے گا۔ ظاہر ہے کہ قرآن عظیم ایک حکیمانہ کلام ہے اور اس کی تمام آیات ایک دوسرے کی شرح و تفسیر کرنے والی ہیں، ورنہ وہ ایک معمہ اور چیستان بن کر رہ جائے گا۔ اسی وجہ سے اس کلام حکمت میں غور و خوض کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ غرض ان آیات میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ابدی منصوبے کی رو سے اس کائنات میں موجود تخلیقی رازوں کو وقتاً فوقتاً ظاہر کرتا رہے گا، تاکہ نوع انسانی کو اپنے وجود کی خبر دیتے ہوئے اسے اس بات پر آمادہ کر سکے کہ وہ اسے ایک خدائے برتر تسلیم کر کے اپنی عاقبت درست کر لے۔ یہ ہے قرآن اور کائنات کی مطابقت کا اصل الاصول اور مقصد المقاصد جو عنداللہ مطلوب ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں قرآن اور کائنات یا قرآن اور سائنس کے بارے میں دینی طبقوں کے درمیان جو غلط فہمیاں موجود ہیں وہ دور ہو جانی چاہئیں۔ کیونکہ یہ پوری کائنات خداوند عزوجل کی پیدا کی ہوئی ہے، اور قرآن عظیم بھی اسی کا نازل کردہ ہے، لہٰذا ان دونوں میں تعارض و تضاد کس طرح ہو سکتا ہے؟ اسی طرح جو لوگ قرآن عظیم کو کلام الٰہی ماننے کے بجائے اسے ایک گھڑا ہوا صحیفہ قرار دیتے ہیں ان کی غلط فہمی بھی دور ہو جانی چاہئے۔ کیونکہ یہ کلام برتر ایسے گہرے حقائق و معارف پر مشتمل ہے، جن کی صداقت و سچائی کی گواہی جدید سائنس اور اس کی تحقیقات دے رہی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب منصوبہ بندی ہے۔ تاکہ خود انسانی تحقیقات کے ذریعہ عصر جدید پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جائے۔ تاکہ جسے مرنا ہو وہ دلیل دیکھ کر مر جائے۔

غرض قرآن عظیم ہر اعتبار سے حقائق ومعارف سے بھرپور ایک لاثانی صحیفہ حکمت ہے، جو عصر جدید میں اپنا علمی اعجاز دکھا رہا ہے اور اس کی تجلیوں سے علم وحکمت کے تاریک گوشے منور ہو رہے ہیں اور نئے نئے جہانوں کی سیر ہو رہی ہے۔ یہ عظیم صحیفہ سارے جہاں کے لئے تذکیر وتنبیہ بن کر سوئے ہوئے انسانوں کو جگا رہا ہے اور اپنے ابدی حقائق کے جلوے دکھا کر پوری نوع انسانی کو متنبہ کر رہا ہے۔ چنانچہ اس کا ایک ایک لفظ علم وحکمت سے بھرپور اور حقائق ومعارف سے لبریز ہے، جس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ چنانچہ حسب ذیل آیات کریمہ مذکورہ بالا تمام دعووں کے عین مطابق ہیں:

تَبَارَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْرًا: بڑا ہی بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان (حق وباطل میں تمیز کرنے والی کتاب) نازل کی، تاکہ وہ سارے جہاں کو متنبہ کر سکے۔ (فرقان:۱)

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِيْنَ. وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ: یہ قرآن سارے جہاں کے لئے ایک تذکرہ ہے۔ اور تم کچھ عرصے کے بعد اس کی (سچائی) کی خبر ضرور جان لوگے۔ (ص:۸۷-۸۸)

چنانچہ قرآن اور کائنات کے یہ پوشیدہ اسرار ومعارف آج مسلسل ولگاتار ہمارے سامنے آ رہے ہیں، جن سے ہمارا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

حدیث بھی نشان رسالت

اس موقع پر ایک فلسفیانہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ریگزار عرب کے ایک ''امی'' شخص کو ان عظیم ترین علمی حقائق تک رسائی کس طرح ہوئی، جن کے انکشافات پر دنیا کے قابل ترین سائنس دانوں کو اپنی عمریں کھپانی اور صدیاں لگانی پڑیں؟ کیونکہ سورج کے بارے میں یہ تمام انکشافات بیسویں صدی میں ظہور پذیر ہو سکے ہیں۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا کوئی بھی جواب اس عظیم ترین حقیقت کو تسلیم کئے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا کہ پیغمبر آخر زماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے سچے نبی تھے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے ایک امی شخص تو کجا ''اہل علم'' کی ایک پوری ٹیم مل کر بھی

اس قسم کی صحیح پیش گوئی ہرگز نہیں کر سکتی تھی، جس کی حقیقت موجودہ دور میں ظاہر ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی دوسری کوئی بھی مثال ہمارے سامنے موجود نہیں ہے۔ اس قسم کے حقائق کا ظہور ڈیڑھ ہزار سال تو بہت دور کی بات ہے، پچھلی صدی تک میں بھی اس بات کا کوئی تصور تک کسی کے ذہن وخیال میں نہیں آ سکا تھا کہ سورج ایک نہ ایک دن اپنی ''فطری موت'' مر جائے گا۔ اس اعتبار سے قرآن تو قرآن خود حدیث نبوی بھی ''نشان رسالت'' کی حیثیت رکھتی ہے، جس پر عصر جدید کے بعض لوگ ''بے اعتباری'' ظاہر کرتے ہیں۔ اگر اس موضوع پر تحقیقی نقطۂ نظر سے کام کر کے ذخیرۂ حدیث میں جو حقائق مختلف علوم وفنون کے بارے میں مذکور ہیں انہیں منظر عام پر لایا جائے تو علمی دنیا حدیث نبوی کے اعجاز کا بھی اسی طرح نظارہ کرے گی، جس طرح آج قرآن عظیم کے علمی اعجاز کا نظارہ ہو رہا ہے۔ لہذا علماء کی ایک ٹیم کو اس کار عظیم میں جٹ جانا چاہئے۔ یہ وقت کی پکار ہے۔

اس موقع پر یہ حقیقت بھی ملاحظہ ہو کہ قرآن اور حدیث میں جو تفصیلات اس سلسلے میں مرقوم ہیں ان دونوں میں کوئی تعارض یا تصادم بالکل نہیں ہے۔ جو اس بات کا ایک اور ناقابل تردید ثبوت ہے کہ یہ دونوں ایک ہی سرچشمے سے صادر شدہ ہیں۔ ورنہ ان دونوں میں اس قدر زبردست مطابقت ہرگز نہ پائی جاتی۔ اور پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ دونوں مصادر ایک دوسرے کی شرح وتفصیل بھی کر رہے ہیں۔ ان حقائق کے ملاحظے سے ان دونوں کا اعجاز یکساں طور پر ثابت ہوتا ہے اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ پیغمبر امی ﷺ اللہ کے سچے اور برگزیدہ نبی تھے۔ اور آپ نے جو کچھ بھی ارشاد فرمایا وہ وحی الٰہی کی بنیاد ہی پر تھا۔ لہذا حدیث نبوی کا یہ اعجاز موجودہ دور کے لئے ''نشان نبوت'' قرار پاتا ہے۔ چنانچہ خود ایک حدیث میں وحی الٰہی کے اس اعجاز پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے:

ما من الانبیاء من نبي إلا قد اوتي من الآیات ما مثله آمن علیه البشر. وإنما کان الذی اوتیت وحیا اوحی الله إلي.[۵۸]

ہر نبی کو کوئی ایسا معجزہ دیا گیا تھا، جس پر لوگ ایمان لائے۔ مگر مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ اللہ

کی وحی ہے جو مجھے عنایت کی گئی ہے۔

چنانچہ آج قرآن کے ساتھ ساتھ خود حدیث نبوی کا معجزہ ہونا عقلی وسائنٹفک نقطۂ نظر سے اس طرح ثابت ہو رہا ہے کہ لوگوں کو ان دونوں کے وحی ہونے میں کسی بھی قسم کا شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک زندہ معجزہ ہے اور اس سے بڑا معجزہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ: وہ اپنی نفسانی خواہش کے مطابق کچھ نہیں کہتا۔ بلکہ وہ تو وحی ہے جو اس پر آتی ہے۔ (نجم:۳-۴)

الغرض ان دونوں مصادر کی صدق وسچائی کے ملاحظے سے یہ حقیقت بھی بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ ''علم'' صرف وہی نہیں ہے جو محسوسات ومعقولات کے ذریعہ حاصل ہوتا ہو، جیسا کہ مادہ پرستوں کا ادعا ہے، بلکہ علم وہ بھی ہے جو ''وحی الٰہی'' کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی ایک حیثیت سے ''علم محسوسات'' میں غلطی کا امکان رہتا ہے، جب کہ وحی الٰہی یا علم الٰہی میں اس کا امکان نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ چودہ سو سال پہلے لسان نبوت سے جو کچھ صادر ہوا تھا وہ آج پتھر کی ایک لکیر کی طرح اپنی جگہ اٹل ہے، جب کہ نظام فطرت سے متعلق قدیم افکار وفلسفوں کی دنیا ہی بدل گئی ہے۔ اور اس حقیقت عظمیٰ کو وہی جھٹلا سکتا ہے جو معاند ہو اور کسی بھی علمی حقیقت کو ماننے کے لئے تیار نہ ہو۔

آج وحی الٰہی اور علم الٰہی کی صداقت وحقانیت کا ایمان افروز نظارہ رات کے اندھیرے میں نہیں بلکہ دن کے ''اجالے'' میں ہو رہا ہے۔ اور جدید سائنس اپنی تمام تحقیقات اور اپنے لاؤ لشکر سمیت اسلامی عقائد وتعلیمات کی لگاتار اور پیہم تصدیق وتائید کیا کر رہی ہے گویا کہ اسلامی عقائد وتعلیمات کو ''سلام'' کر رہی ہے۔ اسلام کی صدق وسچائی کا اس سے بڑا عقلی ثبوت اور کیا چاہئے؟

فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ؟

مراجع وحواشی

(۱) المفردات فی غریب القرآن، راغب اصفہانی، مطبوعہ بیروت۔

(۲) معجم الفاظ القرآن الکریم، ۶۲۲/۱، الھیئۃ المصریۃ، ۱۹۷۰ء۔

(۳) دیکھئے آکسفورڈ السٹریٹڈ انسائیکلوپیڈیا، ۵۴/۸، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نیویارک، ۱۹۹۳ء۔

(۴) Helium

(۵) اسی بنا پر قرآن حکیم میں سورج کو چراغ (سراج) سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(۶) White Dwarf

(۷) The Birth and Death of the Sun.

(۸) Gamow, George,The Birth and the Death of the Sun, The New American Liberary, New Youk, 1956, P.140.

(۹) یعنی جس طرح ایک شعلہ بجھنے سے پہلے بھڑک اٹھتا ہے، اسی طرح سورج بھی ٹھنڈا ہونے سے پہلے پھیل کر ایک دیوہیکل "سرخ شعلے" کی صورت اختیار کرلے گا۔

(۱۰) Encyclopaedia Britannica, 1983, Vol. 17, P.808.

(۱۱) Nove، واحد Nova۔

(۱۲) Oxford Illustrated Encyclopaedia, Vol. 8, The Universe, New York, 1993, P.110.

(۱۳) Gamow, George, The Birth and the Death of the Sun, P.159.

(۱۴) Milky Way

(۱۵) Big Bang Theory

(۱۶) جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن ۳۳۳/۵ مطبوعہ بیروت، مستدرک حاکم ۵۷۶/۴، مطبوعہ بیروت، نیز بقول امام سیوطی اس حدیث کو امام احمد اور ابن منذر نے بھی روایت کیا ہے، دیکھئے تفسیر

درمنثور: ۸/ ۴۲۶، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۹۹۳ء۔

(۱۷) دیکھئے مستدرک حاکم ۴/ ۵۷۶-۵۷۷ء، مطبوعہ بیروت۔

(۱۸) طبرانی، منقول از کنزل العمال: ا/ ۱۷۹، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۹ء۔

(۱۹) ابن عساکر، منقول از کنز العمال: ا/ ۱۹۷۔

(۲۰) الاتقان فی علوم القرآن، از جلال الدین سیوطی ۲/ ۱۶۰، مصر، ۱۹۷۸ء۔

(۲۱) ایضا، نیز ملاحظہ ہو کنز العمال ا/ ۱۹۵، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۹۸۹ء۔

(۲۲) جامع البیان فی تفسر القرآن (تفسیر ابن جریر) طبری، ۳۰/ ۴۱، دارالمعرفۃ بیروت، ۱۹۸۰ء۔

(۲۳) صحیح بخاری، باب صفۃ الشمس والقمر، ۴/ ۷۵، مطبوعہ استانبول، ۱۹۸۱ء۔

(۲۴) تفسیر القرآن العظیم (تفسیر ابن کثیر) ۴/ ۴۷۵ مطبوعہ قاہرۃ تفسیر الدر المنثور ۸/ ۴۲۶۔ دارالفکر بیروت، ۱۹۹۳ء۔

(۲۵) تفسیر کبیر: ۳۱/ ۶۷، دارالفکر بیروت، ۱۹۹۴ء، نیز ملاحظہ ہو تفسیر کشاف ۴/ ۲۲۱، مطبوعہ تہران، تفسیر بیضاوی ۵/ ۴۵۶، بیروت، ۱۹۹۶ء۔

(۲۶) دیکھئے لسان العرب ۵/ ۱۵۶، دارصادر بیروت، تاج العروس من جواہر القاموس، ۷/ ۴۶۱، طبع جدید دارالفکر بیروت، ۱۹۹۴ء۔

(۲۷) صحیح بخاری، ۴/ ۷۵۔

(۲۸) مسند ابوداؤد طیالسی، ص ۲۸۱، دارالمعرفۃ بیروت، نیز دیکھئے جامع الاحادیث، علامہ جلال الدین سیوطی، ۲/ ۲۳۷، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ۔

(۲۹) ابن مردویہ، منقول از کنز العمال، ۶/ ۱۵۳، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت۔

(۳۰) فیض القدیر شرح جامع صغیر ۴/ ۱۷۷، المکتبۃ التجاریۃ مکۃ المکرمۃ۔

(۳۱) ملاحظہ ہو: النھایۃ فی غریب الحدیث، ابن اثیر، ۳/ ۲۷۱، المکتبۃ الاسلامیۃ۔

(۳۲) جیسا کہ ارشاد باری ہے: کل یجری لاجل مسمی ہر ایک مقررہ وقت تک دوڑ تا رہے گا۔ اور دوسری

جبکہ ارشاد ہے: کل فی فلک یسبحون: ہرایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔(انبیاء:۳۳)۔

(۳۳) دیکھئے النھایہ فی غریب الحدیث،۳/۲۷۵۔

(۳۴) دیکھئے فتح الباری، حافظ ابن حجر،۶/۳۰۰، مطبوعہ دارالافتاء ریاض۔

(۳۵) ایضاً۔

(۳۶) سنن دارمی،۱/۵۰، دارالفکر بیروت،۱۴۱۴ھ۔

(۳۷) پراسرار کائنات، از جیمز جینس، ص۳۸، مطبوعہ کراچی۔ اس سلسلے میں مزید تفصیل کے لئے دیکھئے راقم سطور کی کتاب ''قرآن اور نظام فطرت'' مطبوعہ فرقانیہ اکیڈمی بنگلور۔

(۳۸) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ،۴/۱۹۶۱، مطبوعہ دارالافتاء ریاض۔

(۳۹) بخاری کتاب الکسوف،۲/۲۴، مطبوعہ استنبول، مسلم کتاب الکسوف،۲/۶۱۸۔

(۴۰) دیکھئے جارج گیمو کی کتاب ''دی برتھ اینڈ ڈیتھ آف دی سن، ص۱۵۹۔

(۴۱) بخاری کتاب الکسوف،۲/۲۴۔

(۴۲) ایضاً، ص۲/۲۴-۲۵۔

(۴۳) بخاری۲/۲۶۔

(۴۴) بخاری۲/۲۵، مسلم۲/۶۱۹۔

(۴۵) النھایہ فی غریب الحدیث، ابن اثیر،۳/۴۴۴، المکتبۃ الاسلامیۃ۔

(۴۶) Red Giant

(۴۷) White Dwarf

(۴۸) دیکھئے تفسیر ابن جریر۲۷/۷۹، دارالمعرفۃ بیروت، تفسیر درمنثور، جلال الدین سیوطی،۷/۶۹۲، دارالفکر بیروت،۱۴۱۴ھ، زادالمسیر فی علم التفسیر، ابن جوزی،۸/۱۰۷، المکتب الاسلامی دمشق،۱۳۸۷ھ۔

(۴۹) تفسیر کشاف،۴/۴۳، انتشارات آفتاب تہران۔

(۵۰) تفسیر ابن جریر،۲۷/۶۹۔

(۵۱) تفسیر قرطبی، ۲۷/۱۵۴۔

(۵۲) زادالمسیر فی علم التفسیر، ابن جوزی، ۸/۱۰۷۔

(۵۳) تفسیر قرطبی، ۲۷/۱۵۴۔

(۵۴) تفسیر بیضاوی، ۵/۲۷۳، نیز ملاحظہ ہو تفسیر ابوالسعود، ۸/۱۷۷، دار احیاء التراث العربی بیروت۔

(۵۵) دیکھئے زادالمسیر فی علم التفسیر (تفسیر ابن الجوزی) ۸/۱۰۷۔

(۵۶) تفسیر ابن کثیر، ۴/۲۷۰، مکتبہ دار التراث قاہرۃ۔

(۵۷) دیکھئے المفرادت فی غریب القرآن، ص ۱۴۴۔

(۵۸) صحیح مسلم: ۱/۱۳۴، مطبوعہ ریاض، نیز ملاحظہ ہو مسند احمد: ۲/۳۴۱، بیروت۔

آسمان کیا ہے؟

بعض قرآنی حقائق تحقیقات جدیدہ کی روشنی میں

قرآن حکیم میں لفظ ''سماء'' اور ''سماوات'' کا تذکرہ جملہ ۳۱۰ جگہوں پر آیا ہے۔مگر ہر جگہ ان کا مفہوم یکساں نہیں ہے۔ بلکہ سماء سے مراد کہیں پر ایک ''محسوس شے'' ہے تو کہیں اس سے مراد ''مطلق بلندی'' بھی ہے۔کہیں پر اس سے مراد ''عالم ملکوت'' ہے تو کہیں پر ''بادل'' کو بھی سماء کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔اسی طرح اس کا اطلاق کہیں پر ''آسمانی مادہ'' پر ہے تو کہیں پر پورے ''عالم شہود'' پر ہے۔ اسی طرح ''سماوات'' کا اطلاق کہیں پر ''سات آسمانوں'' پر کیا گیا ہے تو کہیں پر اس سے مراد ''اجرام سماوی'' ہیں، جو ہر انسان کے مشاہدہ میں آسکتے ہیں۔اور ان اجرام میں ہمارا چاند اور سورج بھی داخل ہے۔ان تمام کی تشریح وتفصیل کے لئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

اصل میں قرآن عظیم کا نزول چونکہ علوم وفنون سے ناآشنا قوموں کے درمیان ہوا تھا اس لئے ان تمام اُمور کو حددرجہ ''مبہم انداز'' میں بیان کیا گیا ہے۔تاکہ دورِ قدیم میں ان کی تفہیم کے تعلق سے کوئی پیچیدگی یا کوئی نیا مسئلہ پیدا نہ ہوجائے۔ظاہر ہے کہ دورِ قدیم میں اگر ہر چیز کا بیان صاف صاف انداز میں کر دیا جاتا تو اس صورت میں ایک نیا مسئلہ یہ پیدا ہوجاتا کہ لوگ کہہ دیتے کہ قرآن تو ایسی باتیں بیان کر رہا ہے جو ''ناقابلِ فہم'' ہیں۔اور ان کا مطلب اہل ایمان کو سمجھانا مشکل ہوجاتا۔لہذا ایسے

تمام ''کائناتی حقائق'' کا تذکرہ اس کتاب حکمت میں مبہم انداز میں کیا گیا ہے۔ مگر الفاظ اتنے واضح اور معنی خیز ہیں کہ ان کا مفہوم تحقیقات جدیدہ کی روشنی میں بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ان الفاظ (سماء اور سماوات) کا مفہوم کس جگہ کیا ہے؟ اور اس میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ بلکہ یہ الفاظ اپنے سیاق وسباق کے لحاظ سے ہر جگہ بالکل وضاحت کے ساتھ اپنے مدلول پر دلالت کرتے ہیں۔ بہر حال اس سلسلے میں ایک قاعدہ کلیہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ لفظ ''سماء'' کا اصل مفہوم ہے ''ہر وہ چیز جو ہمارے سروں کے اوپر ہو اور سایہ فگن ہو'':

کل ما علاک فاظلک فھو سماء۔[1]

اس سلسلے میں علامہ ابن منظور نے بھی لسان العرب میں تصریح کی ہے کہ ہر وہ چیز جو بلند ہو اور اوپر ہو اور اسی طرح ہر چھت کو بھی سماء کہا جاتا ہے۔ اور گھر کی چھت کو بھی سماء کہا گیا ہے۔

وقال الزجاج: السماء فی اللغة یقال لکل ما ارتفع وعلا قد سما یسمو، وکل سقف فھو سماء. ومنه قیل لسقف البیت سماء۔[2]

اسی ابہام سے فائدہ اٹھا کر ان الفاظ کا استعمال اس کلام حکمت میں انتہائی بلیغ طور پر اس طرح کیا گیا ہے کہ ان کے مفہوم میں قدیم دور والوں کو بھی کوئی اشتباہ نہ رہے اور وقت آنے پر ان کا صحیح مفہوم بھی واضح ہو جائے۔ چنانچہ دیکھئے ایک مقام پر ''آسمان'' کا صحیح مفہوم کس طرح واضح کیا گیا ہے:

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ: اور ہم نے آسمان کو (اپنی زبردست) قوت کے ذریعہ بنایا ہے اور ہم اس میں وسعت دیئے جا رہے ہیں۔ (ذاریات: ۴۷)

کائنات کا آغاز وانجام

اس موقع پر ایک سوال یہ ہے کہ یہ وسعت کس چیز میں ہے؟ تو اس سلسلے میں روایتی اعتبار سے پانچ اقوال مذکور ہیں جن میں سے ایک جدید نظریات کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ علامہ ابن جوزیؒ (م ۵۹۷ھ) اپنی تفسیر میں ابن زید کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد آسمان میں وسعت دینا ہے۔

(القول) الثاني: لموسعون السماء، قاله ابن زید. ۳؎

چنانچہ آج فلکیاتی نقطۂ نظر سے ہماری کائنات (اپنی وسیع کہکشاؤں سمیت) کے آغاز وانجام کے بارے میں جو مقبول ترین نظریہ ہے وہ ''نظریہ عظیم دھاکہ'' (بگ بینگ تھیوری) کہلاتا ہے، جس کی رو سے ہماری پوری کائنات ابتداء گیس کے ایک گولے کی شکل میں تھی، جس میں ایک عظیم دھاکہ ہوا اور اس مادہ کے اجزاء بکھر کر کہکشاؤں اور ستاروں کے روپ میں ظاہر ہوگئے۔ اور کہکشاؤں کی یہ کائنات مسلسل پھیلتی جارہی ہے۔ کیونکہ دور بینی مشاہدہ سے ظاہر ہورہا ہے کہ کہکشاؤں کا فاصلہ باہم بڑھتا جارہا ہے اور وہ ایک دوسرے سے دور ہوتی جارہی ہیں۔ پھر جب وہ پھیلتے پھیلتے اپنی آخری حد تک پہنچ جائیں گی اور مزید پھیلاؤ کے لئے گنجائش باقی نہیں رہے گی تو اس وقت سکڑنے کا عمل شروع ہو جائے گا۔ اور پھر تمام کہکشائیں (اپنے کھربوں کھربوں ستاروں سمیت) سکڑتے سکڑتے پھر اسی نقطۂ تک پہنچ جائیں گی جہاں سے ان کا آغاز ہوا تھا۔ نتیجہ یہ کہ پھر ایک زبردست اور خوفناک قسم کا دھاکہ ہوگا جس کے نتیجہ میں یہ پوری کائنات ختم ہوکر رہ جائے گی۔ اور اس کے بعد یہ عمل اسی طرح برابر جاری رہے گا۔ اور یہ نظریہ پہلی بار ۱۹۲۷ء میں قائم کیا گیا تھا۔ ۴؎

چنانچہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ یہ ابتدائی دھاکہ تقریباً ۱۵ ارب سال پہلے واقع ہوا تھا۔

Big Bang theory, the most generally accepted in cosmology which states that the universe began in primordial explosion about 15 billion years age. ۵؎

واضح رہے اگرچہ یہ ایک نظریہ ہے جس کی ابھی تک پوری طرح تصدیق نہیں ہوسکی ہے۔ لیکن اگر کوئی نظریہ قرآنی نصوص (واضح بیانات) سے بغیر کسی تاویل کے پوری طرح ہم آہنگ ہو جائے تو اسے رد کرنے کی بھی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ اگر بالفرض یہ نظریہ بدل بھی جائے تو قرآن کا وہ مفہوم جو منصوص طور پر ثابت ہے وہ کسی بھی طرح بدل نہیں سکے گا۔ بلکہ اس کی جگہ کوئی اور اچھا سا مفہوم جو اس کی صداقت کو واضح کرنے والا ہو نکل آئے گا۔ جیسا کہ خود سابقہ مفسرین کے بیان کئے ہوئے بہت سے معانی ومطالب جدید انکشافات کے تحت بدلتے رہتے ہیں، جن کی وجہ سے قرآن عظیم کی قطعیت پر کوئی

حرف نہیں آتا۔ اگر میں ان سب کی مثالیں دینا شروع کر دوں تو اس سے ایک ضخیم کتاب وجود میں آسکتی ہے۔ لہذا قرآن حکیم کی نئی تفسیر کرنے کے سلسلے میں آج کل جو شبہ پیدا کیا جاتا ہے وہ بے بنیاد ہے۔ اور اس موضوع پر راقم سطور نے مفصل بحث اپنی ایک دوسری کتاب میں کی ہے۔

آسمان اور جدید سائنس

اس بحث سے بخوبی واضح ہو گیا کہ قرآن کی نظر میں سماء سے مراد (اپنے اصل مفہوم کے اعتبار سے) یہ پورا سلسلہء وجود ہے اور بقیہ چھ سماوات اس کے علاوہ ہیں جو ہماری آنکھوں سے مستور ہیں۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

بہر حال قرآن حکیم کی نظر میں جہاں کہیں بھی ''آسمان'' کے پھٹنے اور اس کے شق ہونے کا بیان ہے تو اس سے مراد یہی پورا ''عالم شہود'' ہے، جس میں تمام اجرام سماوی اور جملہ کہکشائیں بھی شامل ہیں۔ اور اس توجیہ و تفسیر سے جدید حلقوں کی اُس بے اعتباری کا ماحول بھی ختم ہو سکتا ہے جو قرآنی نظریہ سماوات کے سلسلے میں آج پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ جدید سائنس کا نظریہ یہ ہے کہ ''آسمان'' کوئی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ ہماری آنکھوں کو دکھائی دینے والی ''نیلی چادر'' کا کوئی وجود نہیں ہے۔ بلکہ خلاؤں میں یہ ''آسمان'' سیاہ نظر آتا ہے۔ جیسا کہ خلابازوں نے اس سلسلے میں مشاہدہ کیا ہے۔ نیز مشاہدہ سے یہ بھی بخوبی ظاہر ہو گیا ہے کہ زمین سے نظر آنے والی یہ نیلی چیز اور خلاؤں سے دکھائی دینے والی سیاہ چیز کوئی ٹھوس شے نہیں، بلکہ حد نظر کا محض ایک منظر ہے۔ لہذا ایک مشاہداتی چیز کا انکار دین کی نظر میں جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے سائنس دانوں اور سائنس کو صحیح ماننے والوں کی نظر میں دین غیر معتبر قرار پا سکتا ہے، جیسا کہ اس سلسلے میں امام غزالیؒ نے تحریر کیا ہے: ''وہ ثابت شدہ حقائق جو اصول دین سے متصادم نہ ہوں ان میں جھگڑا کرنا جائز نہیں ہے''۔[۱] اور قرآن عظیم نے کہیں بھی یہ نہیں کہا کہ آسمان کا رنگ ''نیلا'' ہے یا ہماری آنکھوں کو نظر آنے والی نیلی چادر ہی آسمان ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن حکیم حد درجہ حکیمانہ کلام ہے جس میں اس قسم کی کوئی بات مذکور نہیں جسے جدید سے جدید تر اکتشافات چیلنج کر سکیں۔

واقعہ یہ ہے کہ قرآن عظیم کی تصریح کے مطابق ایک ''ٹھوس آسمان'' کا وجود ضرور ہے جسے وہ ''سقف محفوظ'' قرار دیتا ہے۔ اور دنیائے سائنس کی ابھی وہاں تک رسائی نہیں ہوسکی ہے۔ اور اس کی حقیقت اس پر تب کھلے گی جب ہماری ''پھیلتی ہوئی'' کائنات چاروں طرف سے بند اس چھت سے ٹکرا کر اپنے ''مرکز'' کی طرف لوٹنا شروع ہو جائے گی، جس کے نتیجے میں پھر ایک عظیم دھماکہ ہوگا۔ جیسا کہ خود سائنس دانوں کا نظریہ ہے۔ اور اس چھت کے پرے بقیہ چھ سماوات واقع ہیں، جن کی حقیقت سے انسان واقف نہیں ہے۔ بہر حال اس سلسلے میں ارشاد باری ہے جو ''نص قطعی'' کی حیثیت رکھتا ہے۔

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا، وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُوْنَ : اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا ہے۔ (مگر) یہ لوگ اُس کی نشانیوں سے اعراض کر رہے ہیں۔ (انبیاء:۳۲)

کائنات کا ڈراپ سین

ظاہر ہے کہ پھیلتی ہوئی کائنات کا دوبارہ اپنے مرکز کی طرف واپس آنا کسی ٹھوس چیز سے ٹکرانے ہی کی وجہ سے ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری یہ پوری مشہود کائنات کسی عظیم ترین ''گنبد'' میں بند ہے، جہاں تک سائنس کی رسائی نہیں ہوسکی ہے۔

اس بحث سے بخوبی ظاہر ہوگیا کہ قرآن عظیم کی نظر میں آسمان یا سماء کا مفہوم کیا ہے۔ لہٰذا اب ملاحظہ فرمایئے قرآن کی وہ آیات جن میں سماء یا پوری کائنات کے پھٹنے کا تذکرہ موجود ہے، جو اختتام کائنات سے عبارت ہے۔

إِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ. وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ : جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب ستارے جھڑ پڑیں گے۔ (انفطار:۱-۲)

إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ: جب آسمان شق ہو جائے گا۔ (انشقاق:۱)

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً. فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ. وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ:

جب صور یکبارگی پھونکا جائے گا۔ اور زمین اور پہاڑ ایک ہی پٹخی میں چُور چُور کر دیئے جائیں گے۔ اُس دن برپا ہونے والی چیز (قیامت) برپا ہو جائے گی۔ اور آسمان پھٹ جائے گا، جو اُس دن بالکل بودا ہو گا۔ (حاقہ:۱۳-۱۶)

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ. وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ. وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ. وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ. لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ. لِيَوْمِ الْفَصْلِ.

جب ستارے مٹا دیے جائیں گے۔ جب آسمان پھاڑ دیا جائے گا۔ پہاڑ اُڑا دیے جائیں گے۔ اور تمام رسولوں کو وقت مقررہ پر جمع کیا جائے گا۔ یہ تاخیر کس دن کے لئے کی گئی؟ فیصلے کے دن کے لئے۔ (مرسلات:۸-۱۳)

السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ، كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلاً: (اس دن) آسمان پھٹ جائے گا۔ اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ (مزمل-۱۸)

ان آیات میں آسمان کے لئے انفطار، انشقاق اور فرج کے الفاظ لائے گئے ہیں جو ہم معنی ہیں، یعنی پھٹنا۔ اور چونکہ آسمان ستاروں اور سیاروں سے عبارت ہے اس لئے آسمان کے پھٹنے کا مطلب ہے تمام ستارے اور سیارے پھٹ کر بکھر جائیں گے۔ اس لحاظ سے اوپر مذکور سورۂ انفطار کی پہلی آیت میں آسمان کے پھٹنے کا جو تذکرہ ہے اس کی مزید وضاحت بعد والی آیت (واذا الکواکب انتثرت) کر رہی ہے۔ یعنی آسمان کے پھٹنے کی کیفیت کیا ہوگی؟ تو اس کی کیفیت یہ ہوگی کہ تمام ستارے جھڑ پڑیں گے یا بکھر جائیں گے۔ اور یہ ستارے کس طرح جھڑ پڑیں گے؟ تو اس حقیقت پر سورۂ تکویر کی پہلی آیت روشنی ڈال رہی ہے کہ وہ ہمارے سورج کی طرح یا تو بے نور ہو جائیں گے یا پھر اچانک دھماکوں سے پھٹ پڑیں گے، جس کی تفصیل پچھلے مضمون میں بیان کی جا چکی ہے۔ یے اور اس اعتبار سے یہ تمام آیتیں ایک ہی مفہوم پر دلالت کر رہی ہیں۔ اور ان میں کوئی معنوی تضاد نہیں ہے واللہ اعلم۔

آسمان کے دروازے

اس موقع پر یہ حقیقت بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ قرآن حکیم میں جہاں کہیں بھی آسمان کے پھٹنے اور اُس کے بکھر کر منتشر ہونے کا ذکر آیا ہے وہاں پر صرف لفظ سماء (واحد) آیا ہے، سماوات (جمع) کا لفظ نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ختم ہونے والا آسمان صرف ہمارا ہی آسمان ہے اور بقیہ چھ آسمان بالکل محفوظ رہیں گے۔ یہ بھی اس بات کا ایک ثبوت ہے کہ ان آیات میں آسمان سے مراد صرف عالم شہود یا آسمان اول ہے، اور بقیہ چھ آسمان اس کے علاوہ ہیں جو ہماری نظروں سے مستور ہیں۔ اور قرآن عظیم یہ بھی انکشاف کرتا ہے کہ قیامت کے دن آسمان اول کے دروازے کھول دیے جائیں گے، جو ایک ''مضبوط چھت'' یا گنبد کی شکل میں ہے:

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا. يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَأْتُوْنَ اَفْوَاجًا. وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا.

فیصلہ کا دن یقیناً متعین ہے۔ جس دن کہ صور پھونکا جائے گا تو تم سب گروہوں کی شکل میں (ہمارے روبرو) حاضر ہو جاؤ گے۔ اور آسمان کھول دیا جائے گا تو (اس میں) دروازے نکل آئیں گے۔ (نبا:۱۷-۱۹)

اور اس کا مزید ثبوت وہ حدیثیں ہیں جو واقعہ معراج سے تعلق رکھتی ہیں۔ چنانچہ اس واقعہ میں صراحتاً مذکور ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب رسول اکرم ﷺ کو لے کر آسمان کی سیر کے لئے روانہ ہوئے تو سب سے پہلے آسمان اول تک پہنچے اور اس کے متعدد دروازوں میں سے ایک دروازہ کھلوایا، جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے:

ثم عرج به إلى السماء الدنيا، فضرب بابا من ابوابها. فناداه اهل السماء من هذا؟ فقال جبرئيل. قالوا ومن معك؟ قال معي محمد....

پھر جبرئیل حضرت محمد ﷺ کو لے کر ''نزدیکی آسمان'' تک پہنچے اور اُس کے (متعدد)

دروازوں سے ایک دروازہ کھٹکھٹایا تو آسمان والوں نے پکار کر پوچھا کہ کون ہے؟ تو کہا جبرئیل۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا کہ محمد۔ ۸

بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں اس طرح مذکور ہے:

فلما جئت إلى السماء الدنيا قال جبرئيل لخازن السماء افتح : جب میں آسمان دنیا تک پہنچا تو جبرئیل نے آسمان کے خازن سے کہا کہ (دروازہ) کھولو۔ ۹

قرآن اور حدیث کے اس متفقہ بیان کے بعد اس بارے میں کسی قسم کا شبہ نہیں رہ جاتا کہ آسمان کا وجود اپنی جگہ پر ایک حقیقت ہے، جس کی نقاب کشائی کرنا سائنس کی ذمہ داری ہے۔

بُروج یا کائناتی جزائر

اس اعتبار سے یہ آسمانی چھت دُور بینوں سے نظر آنے والی کہکشاؤں (گیلکسیس) سے پرے ہونی چاہیے۔ بالفاظ دیگر دور بینوں سے نظر آنے والی تمام کہکشائیں "سمائے دنیا" یا قریبی آسمان کے اندر واقع ہیں۔ اور اس کا مزید ثبوت حسب ذیل آیات میں مذکور لفظ "بروج" ہے جس سے مراد مشہور بارہ آسمانی بُرجوں کے علاوہ کہکشائیں (ستاروں کے مجموعے) بھی ہو سکتے ہیں:

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ: یقیناً ہم نے آسمان میں (بہت سے) بُرج بنادیے ہیں اور انہیں بغور دیکھنے والوں کے لئے مُزیّن کر دیا ہے۔ (حجر:۱۶)

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ: (ہاں ہاں) یہ بُرجوں والا آسمان بھی شاہد ہے۔ (بُروج:۱)

تفسیروں میں بُروج کے کئی معانی مذکور ہیں۔ صاحب تفسیر کبیر نے لکھا ہے کہ اس سلسلے میں تین اقوال ہیں: (۱) اس سے مراد آسمان کے مشہور بارہ برج ہیں، جن میں سورج داخل ہوتا ہے۔ (۲) اس سے مراد چاند کی منزلیں ہیں۔ (۳) اس سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں۔ ۱۰

ابن جریر طبریؒ (م ۳۱۰ھ) نے لکھا ہے کہ اہل علم کا اس کی تاویل میں اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک اس سے مراد قُصور (محل) ہیں جو آسمان میں واقع ہیں:

قال ابن عباس قصور في السماء.

بعض کے نزدیک اس سے مراد ستارے ہیں۔ اور بعض نے اس کی تاویل اس طرح کی

ہے: والسماء ذات البروج سے مراد والسماء ذات النجوم ہے۔ [11]

اس اعتبار سے بروج کے معنی میں کافی وسعت پائی جاتی ہے۔ اوران سب اقوال کا حاصل ایک ہی ہے۔ کیونکہ جس طرح مشہور بارہ برج ستاروں کے مجموعے ہیں اسی طرح کہکشائیں بھی ستاروں کے مجموعوں ہی کا نام ہے۔ فرق یہ ہے کہ بارہ بُرجوں میں صرف چند ستارے ہوتے ہیں۔ جب کہ کہکشائیں لاتعداد (اور ایک موٹے اندازہ کے مطابق ایک کہکشاں میں کم از کم ایک کھرب) ستارے ہوتے ہیں۔ چنانچہ سائنسی نقطۂ نظر سے اس کی تعریف اور وضاحت اس طرح کی گئی ہے: کہکشاں (گیلکسی) سے مراد ستاروں (نجم) گرد اور گیس کا مجموعہ ہے، جس کا کُل وزن ہمارے سورج کے مقابلے میں دس لاکھ سے لے کر سو کھرب تک ہے۔ دُودھیا راستہ (ملکی وے) ہماری اپنی کہکشاں ہے۔ اور سورج اس کہکشاں میں موجود ایک کھرب ستاروں کے مقابلہ میں صرف ایک ستارہ ہے۔ تاہم ۱۹۲۰ء کے دہے تک کہکشاؤں کی صحیح ساخت کے بارے میں جانکاری نہیں تھی، جب کہ شدید جدوجہد کے بعد ان کے طبیعی احوال معلوم کر لئے گئے۔ چنانچہ ماؤنٹ ولِس میں نصب شدہ سوانچ قُطر والی عکسی دوربین (ریفلیکٹر) اس مقصد کے لئے استعمال کی گئی۔ اس کے نتیجے میں ''انڈرومیڈا'' کہکشاں میں واقع انفرادی ستاروں کا تصور حاصل ہوا۔

Galaxy, an association of stars, dust and gas, with a total mass ranging from 10^6 to 10^{13} times the mass of the sun. The Milky Way is our own galaxy, and the Sun is only one star of the 100 billion stars in it. The true character of galaxies was not discovered untill the 1920s when the very intense debate concerning their nature was finally resolved. Telescopes prior to this period showed them as diffuse areas of light, resembling nebulae, but the 100-inch (2.5 m) reflector at the Mount Wilson Observatory, first used in the 1920s, gave

images of some individual stars in the Andromeda Galaxy showing it to be a galaxy rather than a nebula. ؎۱۲

واقعہ یہ ہے کہ اس صدی کی دوسری چوتھائی کے دوران ماہرین فلکیات بتدریج اس حقیقت سے واقف ہوئے کہ بہت سے ماند اور مدہم "سحابیے" (نیبولاس) جو ہمارے آسمان کو آباد کئے ہوئے ہیں، وہ حقیقتاً ستاروں کے عظیم جزیرے ہیں جو ہماری کہکشاں سے پرے واقع ہیں۔ ایک مثالی اور بڑی کہکشاں، جیسے ہماری چکردار کہکشاں، ایک کھرب ستاروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور ہماری کائنات میں دوربینوں سے دکھائی دینے والی اربوں کہکشائیں موجود ہیں۔ اور یہ تمام کہکشائیں قرآن عظیم کی صراحت کے مطابق "وزینـاهـا للناظرین" کی شکل میں "جمالِ رُبوبیت کا" نظارہ فراہم کرتی ہیں۔ اور اس اعتبار سے یہ "آسمانی بُروج" وہ "کائناتی جزیرے" ہیں جن پر حضرت ابن عباسؓ کا قول "قصور السماء" کے الفاظ ٹھیک ٹھیک صادق آتے ہیں۔

اس بحث سے بخوبی ظاہر ہوگیا کہ یہ پوری کائنات قرآنی نقطۂ نظر سے چاروں طرف سے ایک "ٹھوس" چیز سے گھری ہوئی ہے، جسے بعض مواقع پر "بناء" اور بعض مواقع پر "سَقف محفوظ" کہا گیا ہے۔

آسمانی دنیا کی مُحیّر العقول وسعت

الغرض ہمارے آسمان (سمائے دنیا) کی وسعت اس قدر زیادہ ہے کہ اس سلسلے کے محیر العقول اعداد و شمار سے سر چکرانے لگتا ہے۔ ہماری اس مشہود کائنات کے بعض اجرام اس قدر بعید فاصلے پر واقع ہیں کہ اُن کی روشنی اُن کے وجود کے بعد سے لے کر اب تک ہماری زمین تک نہیں پہنچ سکی ہے۔ حالانکہ روشنی ایک سکنڈ میں ۱۸۶۰۰۰ میل کا فاصلہ طے کرتی ہے اور ہماری کائنات کو وجود میں آئے ہوئے تقریباً دس ارب سال گزر چکے ہیں۔ جس کہکشاں میں ہمارا سورج واقع ہے اُس میں کم از کم ایک کھرب ستارے موجود ہیں۔ اور اس کہکشاں کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کا فاصلہ ایک لاکھ نوری سال ہے۔ جب کہ بعض کہکشاؤں کا قطر چند ہزار نوری سال سے لے کر نصف ملین (پانچ

لاکھ) نوری سال تک ہے۔

Galaxies range in diameter from a few thousand to half a million light-years. ۱۳

روشنی ایک سال میں ۹۴۶,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰ کیلومیٹر کا فاصلہ طے کرتی ہے۔ کہکشائیں اپنی جسامت اور شکل وصورت میں مختلف ہوتی ہیں۔ بعض کہکشائیں چکردار اور بعض بیضوی شکل کی ہوتی ہیں۔ اور یہ مختلف شکل وصورت کی کہکشائیں متعدد گروپوں میں منقسم ہیں۔ ہماری کہکشاں (ملکی وے) جس گروپ میں ہے اُس میں بیس کہکشائیں موجود ہیں اور ان کا قطر تین ملین (تیس لاکھ) نوری سال ہے۔ اس مجموعے میں ''اینڈرومیڈا'' کہکشاں بیس لاکھ نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے۔

Our own galaxy is a member of the "local group" an association of about 20 galaxies, only one of which is the Andromeda galaxy. The local group is about three million light-years away. ۱۴

ہماری کہکشاؤں کے مجموعے سے قریب ترین کہکشاؤں کا بڑا مجموعہ ''ورگو'' ہے، جو تیس ملین (تین کروڑ) نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے۔

The nearest large cluster of galaxies is in Virgo, about 30 million light-years distant. ۱۵

ماہرینِ فلکیات کے اندازے کے مطابق کہکشاؤں کے یہ مجموعے یا گروپ مل کر ''سُپر گروپس'' کی تشکیل کرتے ہیں (یعنی بہت سے مجموعے مل کر ایک گروپ بن جاتے ہیں) جن میں تقریباً ایک سو مجموعے ہوتے ہیں، جو ایک سو ملین (دس کروڑ) نوری سال کے فاصلے میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔

Some astronomers have argued that there is evidence that clusters are grouped into super clusters of perhaps 100 members, spread over 100 million light-years. ۱۶

ہماری معلوم شدہ کائنات میں اس طرح کے لاکھوں کروڑوں مجموعے ہیں، جن میں اربوں کہکشائیں پائی جاتی ہیں۔ اور ہماری بعید ترین کہکشاؤں کا فاصلہ ہماری زمین سے اربوں نوری سال

کے فاصلے پر ہے۔ چنانچہ مختلف دریافت شدہ کہکشاؤں کی شناخت کے لئے انہیں خصوصی نمبر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً انڈرومیڈا میں واقع "بڑے سحابیہ" (گریٹ نیبولا) کو M31 کا نمبر دیا گیا ہے۔ اوران نمبروں کے ذریعہ ان کا محل وقوع معلوم کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ کہکشاں M33 ہماری زمین سے بیس لاکھ نوری سال کے فاصلے پر ہے۔

"ہنکوسکی" نامی مجموعہ کہکشاں سے روشنی ہماری طرف پانچ ارب سال پہلے آنی شروع ہوئی تھی۔ اس لئے ہم یقین کرسکتے ہیں کہ بعض کہکشائیں اس سے زیادہ قدیم ہوں گی۔ ایک اندازہ کے مطابق ہماری اور دیگر کہکشائیں دس ارب سال سے زیادہ قدیم نہیں ہیں۔ (حوالہ مذکور)

بہرحال فلکیات کی دنیا میں بیسویں صدی کی سب سے زیادہ دلچسپ اور رعب دار دریافت ہماری کائنات میں اربوں کہکشاؤں کا وجود ہے، جو منظم طور پر ایک دوسرے سے پیچھے ہٹ رہی ہیں۔

Perhaps the most startling discovery made in astronomy this century is that the universe is populated by billions of galaxies and that they are systematically receding from one another. [لے]

اور یہ اندازہ "نظریہ عظیم دھماکہ" (بگ بینگ تھیوری) کے مطابق ہے۔ چنانچہ اس نظریہ کی رُو سے جب ہماری اس معلوم کائنات کا پورا مادہ باہم ملا ہوا تھا تو اس میں ایک عظیم دھماکہ ہوا، جس کے نتیجے میں تمام کہکشائیں اور ستارے وسیارے وجود میں آئے۔ اور یہ تمام ستارے اور اُن کے مجموعے (کہکشائیں) تب سے اب تک برابر پھیلتے چلے جارہے ہیں۔ چنانچہ پچھلے صفحات میں پیش کردہ ایک قرآنی آیت (ذاریات: ۴۷) سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

غرض کہکشاؤں کی دنیا بہت زیادہ دلچسپ اور بصیرت افروز ہے جو قدرت خداوندی کا ایک بے مثال مظہر اور اُس کی عظمت وکبریائی کی دلیل ناطق ہے۔ اور اس کے نظارہ سے ہمارے ایمان ویقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور یہ سب کچھ حسب ذیل آیت کریمہ کے عین مطابق ہے:

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ.

اور ہم نے آسمان میں بہت سے بُروج (ستاروں کے مجموعے) بنادئے ہیں اور انہیں غور سے دیکھنے والوں کے لئے آراستہ کردیا ہے۔ (حجر:۱۶)

ماہرین فلکیات اب تک لاکھوں کہکشاؤں کی تصویریں دوربینوں کی مدد سے اُتار چکے ہیں، جن میں سے بعض فلکیات کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اور بعض تصویریں مذکورۂ بالا کتاب ''نیوفرنٹیرس اِن اسٹرانمی' میں بھی موجود ہیں۔ ہر کہکشاں کی اپنی ایک الگ پہچان ہے، جو ایک دوسرے سے مختلف ومنفرد دکھائی دیتی ہے۔ ابتداء میں یہ کہکشائیں ''روشن سحابیوں'' کی طرح دکھائی دیتی تھیں۔ مگر طاقتور دوربینوں کے ذریعہ دیکھنے پر معلوم ہوا کہ یہ سب ستاروں کے مجموعے ہیں، جن میں سے بعض ہمارے سورج سے بھی کئی گنا بڑے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ کہکشائیں ''ستاروں کے شہر'' یا '' کائنات کے جزائر'' ہیں۔ ان میں بعض عجیب وغریب اجرام بھی موجود ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

اربوں نوری سال کے فاصلے پر واقع ان کہکشاؤں کے ملاحظے سے ہماری کائنات کی حیرت انگیز وسعتوں کا پتہ چلتا ہے۔ اور اس فاصلے کو میلوں کے عدد میں ظاہر کرنا ناممکن ہے۔ اگر کوئی شخص ایک ایسے خلائی جہاز کے ذریعہ سفر کرنا شروع کردے جو روشنی کی رفتار سے چلتا ہو تب بھی وہ پوری کائنات تو درکنار ایک کہکشاں سے دوسری تک نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ وہ راستے ہی میں بوڑھا ہوکر ختم ہوجائے گا۔

عرش کے مقابلے میں سات آسمانوں کی حیثیت

بہرحال قرآنی دلائل کے مطابق راقم سطور کی نظر میں ہماری یہ پوری کائنات آسمان اول کے اندر واقع ہے۔ اور بقیہ چھ آسمان اس کے علاوہ ہیں، جو ہماری آنکھوں سے مستور ہیں۔ اور مستقبل میں مزید جتنی بھی کہکشائیں دریافت کی جائیں گی وہ سب کی سب آسمان اول ہی کا حصہ ہوں گی۔ کیونکہ ''نظر آنے والی' یا مشہود کائنات بنص قرآنی ''سمائے دنیا'' میں واقع ہے۔ آسمان دنیا کے ملاحظے سے بقیہ چھ آسمانوں کی وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ ساتوں آسمان اپنی حیرتناک وسعتوں کے باوجود عرش الٰہی کے مقابلے میں ایک رتی سی چیز کے مانند ہیں، جیسا کہ حسب ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے:

عن ابي ذر قال: قلت يا رسول الله ايما انزل عليك اعظم؟ قال آية الكرسي، ثم قال يا ابا ذر ما السماوات السبع مع الكرسي إلا كحلقة ملقاة بارض فلاة. وفضل العرش على الكرسي كفضل الفلاة على الحلقة.

حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ: میں نے پوچھا کہ یارسول آپ پر سب سے عظیم (آیت) کونسی نازل ہوئی؟ آپ نے فرمایا کہ آیت الکرسی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے ابوذر ساتوں آسمان کرسی سمیت ایک حلقے (یا ایک رتی سی چیز) کی طرح ہیں جو ایک وسیع بیابان میں ڈال دیا گیا ہو۔ اور عرش کی فضیلت کرسی پر ایسی ہی ہے جیسے ایک وسیع بیابان میں ایک (چھوٹا سا) حلقہ۔ ۱۸

سات آسمانوں کے اوپر جنت ہے اور جنت کے اوپر عرش الٰہی ہے۔ چنانچہ جنت کی وسعت ہمارے آسمان جیسے سو آسمانوں کی وسعت کے برابر ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف کی ایک حدیث سے واضح ہوتا ہے:

إن في الجنة ماة درجة، اعدها الله للمجاهدين في سبيله. كل درجتين ما بينهما كما بين السماء والارض. فإذا سالتم الله فاسئلوه الفردوس. فإنه اوسط الجنة واعلى الجنة. وفوقه عرش الرحمان، ومنه تفجر انهار الجنة.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں سو درجے ہیں، جن کو اللہ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ ان میں سے ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر فاصلہ ہے جتنا کہ زمین اور آسمان کے درمیان ہے۔ جب تم اللہ سے مانگو تو فردوس مانگو۔ کیونکہ وہ جنت کا درمیانی اور اونچا مقام ہے۔ جنت الفردوس کے اوپر اللہ کا عرش ہے، اسی سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔ ۱۹

زمین اور آسمان اللہ کی مٹھی میں

ان مہیب اور حیرتناک اعداد وشمار کی رُو سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ پوری کائنات (ساتوں آسمانوں اور جنت سمیت) کس قدر وسیع و بے کراں ہوگی۔ یہ پوری کائنات عرش الٰہی کے

مقابلے میں ایک حقیری چیز ہے جو اُس کی مٹھی میں سما جائے گی۔ چنانچہ باریٰ تعالیٰ قیامت کے موقع پر اس پوری کائنات کو ایک ہاتھ میں اُٹھالے گا، جیسا کہ اس سلسلے کی صحیح ترین حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔

عن ابن مسعود قال جاء حبر من الاحبار إلى النبي ﷺ فقال يا محمد انّا نجد ان الله يجعل السماوات على اصبع، والارضين على اصبع، والشجر على اصبع، والماء والثرى على اصبع، وسائر الخلق على اصبع. فيقول انا الملك. فضحك النبي ﷺ حتى بدت نواجذه، تصديقا لقول الحبر. ثم قرا رسول الله ﷺ وما قدر الله حق قدره.

ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ یہودیوں کا ایک عالم رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ اے محمد ہم (اپنی کتابوں میں) لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ (قیامت کے موقع پر) آسمانوں کو ایک اُنگلی پر رکھ لے گا، اسی طرح زمینوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی کو ایک انگلی پر اور باقی تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اور کہے گا کہ میں ہی بادشاہ ہوں۔ تو نبی کریم ﷺ یہودی عالم کی تصدیق کے طور پر ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کے دانت دکھائی دینے لگے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی، جس کا مفہوم یہ ہے: اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اُس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ اور یہ پوری زمین قیامت کے دن اُس کی مٹھی میں ہوگی۔ اور آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ مشرکوں کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔[۳۰] (زمر: ۶۷)

اس سلسلے کی ایک دوسری حدیث ہے:

يقبض الله الارض ويطوي السماء بيمينه، ثم يقول انا الملك، اين ملوک الارض.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (قیامت کے موقع پر) اللہ تعالیٰ زمین کو اپنے قبضے میں لے لے گا اور آسمان کو لپیٹ کر اپنے داہنے ہاتھ میں کر لے گا۔ پھر کہے گا کہ میں ہی بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟[۳۱]

ایک اور روایت کے مطابق وہ فرمائے گا کہ میں ہی (حقیقی) بادشاہ ہوں، کہاں ہیں (دنیا کے) جبار اور متکبر لوگ؟ ۴۲

اس بحث کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱- ہماری معلوم و مشہود کائنات سمائے دنیا یا آسمان اول میں داخل ہے، جو "سقف محفوظ" کے اندر واقع ہے۔ اور اس سقف محفوظ تک سائنس کی ابھی تک رسائی نہیں ہو سکی ہے۔

۲- بقیہ چھ آسمان اس کے علاوہ ہیں، جو ہماری آنکھوں سے مستور ہیں۔

۳- ہماری یہ زمین اور ساتوں آسمان "کرسی" کے مقابلے میں بے وقعت ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کرسی ساتوں آسمانوں کی "پوری کائنات" کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ (وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ.)

۴- ساتوں آسمانوں کی پوری کائنات کرسی سمیت عرش الٰہی کے مقابلے میں ایک وسیع بیابان میں ایک رتی سی چیز کے مانند ہے۔

۵- قیامت کے موقع پر ساتوں آسمان (اربوں کھربوں کہکشاؤں اور لاتعداد و ان گنت ستاروں اور سیاروں سمیت) اور ان میں موجود تمام مخلوقات خدائے ذوالجلال کے داہنے ہاتھ میں (ایک چھوٹی سی گیند کے مانند) ہوں گے۔ ۴۳ اس سے خدائے جبار و قہار کی عظمت و بزرگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۶- اس بحث کا خاص الخاص نکتہ یہ ہے کہ خالق ارض و سماوات کا وجود حقیقی و واقعی ہے، نہ کہ قدیم متکلمین کے نظریہ کے مطابق محض "بسیط" یا وہمی، جنہوں نے یونانی فلسفے سے متاثر ہو کر بے کار اور لاطائل بحثیں چھیڑ دی تھیں۔

۷- اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات سے الگ (بائن) ہے اور وہ عرش پر براجمان ہو کر سارے جہاں پر حکمرانی کر رہا ہے۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ، يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ،

اَلاَ لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ، تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ.

تمہارا رب یقیناً اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن (چھ مدارج) میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مُستوی ہوا۔ وہ رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے جو اُس کے پیچھے تیزی سے آجاتی ہے۔ اور سورج، چاند اور ستارے (سب کے سب) اُس کے حکم کے تابع ہیں۔ جان لو کہ (تمام مخلوقات کو) پیدا کرنا اور اُن پر حکم چلانا اُسی کا کام ہے۔ اللہ بڑی برکت والا ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔ (اعراف:۵۴)

ایک اشکال اور اس کا جواب

اوپر راقم سطور نے سمائے دنیا یا آسمان اول کی جو تفسیر و توجیہہ کی ہے اس پر بعض آیات کی رو سے ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ ساتوں آسمان مشہود اور اوپر تلے (ایک کے اوپر ایک) موجود ہیں، جیسا کہ سورۂ نوح کی آیت سے بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے:

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا. وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا.

کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ اللہ نے سات آسمان ایک کے اوپر ایک کس طرح پیدا کیے ہیں اور ان میں چاند کو روشن اور سورج کو چراغ بنا دیا ہے۔ (نوح:۱۶-۱۷)

یہاں پر لفظ "الم تروا" کا اطلاق دو معنوں پر ہو سکتا ہے: (۱) اگر اس کے معنی مشاہدہ کے لئے جائیں تو اس صورت میں اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ساتوں آسمان جو "اوپر تلے ہیں" وہ انسانوں کے مشاہدے میں ہیں۔ (۲) اور اگر اس کے معنی "علم" کے لئے جائیں تو اس صورت میں ان کا مشاہدہ میں آنا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ اوپر راقم سطور نے سات آسمانوں کی جو تاویل کی ہے وہ اس نقطۂ نظر سے صحیح ہو جائے گی۔

اس موقع پر ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ سات آسمانوں کے لئے ایک ہی سورج اور ایک

ہی چاند کا تذکرہ کیوں کیا گیا ہے؟ حالانکہ خود ہمارے آسمان (آسمان اول) میں بے شمار کہکشائیں اور بے شمار سورج موجود ہیں اور اسی حساب سے بے شمار چاند بھی موجود ہوں گے۔ تو اس کا جواب دو طرح سے ہے: ایک یہ کہ ہماری آنکھوں کو چونکہ (بغیر دوربین کے) ایک ہی چاند اور ایک ہی سورج نظر آتا ہے اس لئے ایسا کہا گیا۔ دوسرے یہ کہ اہل زمین کے لئے چونکہ ہمارے چاند اور سورج کی اہمیت زیادہ ہے اس لئے ایسا کہا گیا۔ چنانچہ ایک دوسری آیت میں بجائے سات آسمانوں کے صرف ایک آسمان کا تذکرہ کرنے کے بعد متعدد کہکشاؤں کی موجودگی کی خبر دی گئی ہے۔ پھر ان میں ہماری زمین والوں کی اہمیت کے نقطۂ نظر سے ایک سورج اور ایک چاند کا ذکر آیا ہے:

تَبَارَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَجَعَلَ فِيْهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيْرًا.

بڑا ہی بابرکت ہے وہ جس نے آسمان میں (بہت سے) بُروج (ستاروں کے جھرمٹ) بنا دیے اور اُس میں ایک چراغ (سورج) اور ایک چاند بنا دیا۔ (فرقان:۶۱)

ظاہر ہے کہ پورے آسمان اور اس میں موجود تمام بُروج (کہکشاؤں) میں صرف ایک ہی سورج اور ایک ہی چاند ہونا خلاف واقعہ بات ہے۔ اس موقع پر یہ حقیقت بھی واضح رہے کہ دور قدیم میں یونانیوں کا آسمانوں کے بارے میں جو نظریہ تھا وہ حد درجہ مضحکہ خیز تھا۔ چنانچہ وہ ایسے سات ''افلاک'' کے قائل تھے جو پیاز کے چھلکوں کی طرح ایک کے اوپر ایک باہم ملے ہوئے تھے اور دن رات میں ایک چکر پورا کر لیا کرتے تھے۔ اور چاند سورج اور دیگر سیارے ان افلاک میں جڑے ہوئے خود بھی دن رات میں ایک چکر لگایا کرتے تھے۔

نو آسمانوں کا غلط نظریہ

موجودہ علم و تحقیق اور رُویت و مشاہدہ کے دور میں اس قسم کے قدیم نظریات جو محض ظن و تخمین کا نتیجہ تھے خرافات معلوم ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر سات آسمانوں کے وجود کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر:

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ: پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو اسے (حصے کرکے) سات آسمان بنا دیئے۔ (بقرہ:۲۹)

سات آسمانوں کے وجود پر یہ ایک "نص قطعی" ہے، جس کی تائید دیگر آیات سے بھی ہوتی ہے۔ قرآن حکیم کے بیانات میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ یہ خدائے علیم وخبیر کے علم ازلی پر مبنی کلام ہے، جس میں خلاف واقعہ بات کا گزر نہیں ہوسکتا۔ مگر دور قدیم میں یونانی نظریات سے متاثر ہوکر بعض مفسرین نے سات آسمانوں کے وجود میں شک کرتے ہوئے یونانی نظریات سے مطابقت پیدا کرنے کی غرض سے کہہ دیا کہ قرآن میں سات آسمانوں کے تذکرے سے اُن کے زیادہ ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ فلسفہ یونان میں نو آسمانوں (افلاک) کا وجود تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام رازیؒ جیسے نقاد فلسفہ نے اس سلسلے میں تذبذب کا اظہار اس طرح کر دیا ہے:

فإن قال قائل فهل يدل التنصيص على سبع سماوات على نفي العدد الزائد؟ قلنا الحق ان تنصيص العدد بالذكر لا يدل على نفي الزائد۔ ۲۴

یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ کیا سات آسمانوں کا بیان عدد زائد کی نفی کرتا ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ اس عدد (سات) کا تذکرہ زائد کی نفی نہیں کرتا۔

واضح رہے یونانی نظریات کے مطابق ہمارے نظام شمسی کے بعض سیاروں کو مع آفتاب کے سات آسمان (افلاک) قرار دے دیا گیا تھا، جس کی تفصیل اس طرح ہے: (۱) چاند (۲) عطارد (۳) زُہرہ (۴) آفتاب (۵) مریخ (۶) مشتری (۷) اور زُحل۔ ۲۵ ان سات افلاک کے علاوہ مزید دو افلاک کا وجود بھی مانا گیا تھا۔ چنانچہ آٹھویں فلک کو "فلک البروج" اور نویں کو فلک الافلاک کہا گیا ہے۔ اور یونانیوں کا نظریہ یہ تھا کہ تمام ستارے آٹھویں فلک میں جڑے ہوئے ہیں۔ اور افلاک چونکہ شیشے کی طرح شفاف ہیں اس لئے وہ سب ہم کو پہلے فلک میں جڑے ہوئے معلوم پڑتے ہیں۔ اور نواں فلک تمام افلاک واجسام کو محیط ہے۔ اور اس کے ماوراء کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ ۲۶

بغیر علم وتحقیق کے ان ادعائی بیانات سے متاثر ہوکر امام رازیؒ کے بعد بعض دیگر مفسرین نے

بھی یونانی نظریات سے مطابقت پیدا کرنے کی غرض سے سات آسمانوں کے وجود میں شک وشبہ کا اظہار کرتے ہوئے عرش اور کرسی کو آٹھواں اور نواں آسمان قرار دے دیا۔ جیسا کہ اس سلسلے میں قاضی بیضاوی اور شہاب الدین آلوسی بغدادی کی روش سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ اول الذکر تحریر کرتے ہیں:

فإن قيل: أليس أن أصحاب الأرصاد أثبتوا تسعة أفلاك؟ قلت فيما ذكروه شكوك. وإن صح فليس في الآية نفي الزائد، مع أنه إن ضم إليها العرش والكرسي لم يبق خلاف۔ ۲۷

یعنی اگر یہ کہا جائے کہ کیا فلکیات دانوں نے نو افلاک کا اثبات نہیں کیا ہے؟ تو میں کہوں گا کہ انہوں نے جو کچھ بیان کیا ہے اس میں کافی شبہات ہیں لیکن اگر یہ بات صحیح بھی ہو تو اس آیت میں زائد کی نفی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ان افلاک کے ساتھ عرش اور کرسی کو بھی ملا لیا جائے تو کسی قسم کا اختلاف باقی نہیں رہے گا۔

اور ثانی الذکر نے امام رازی اور قاضی بیضاوی کے بیانات کو بنیاد بنا کر انہیں دونوں کے اقوال کو دہرایا ہے، جیسا کہ وہ تحریر کرتے ہیں: **فليس في الآية ما يدل على نفي الزائد بناء على ما اختاره الإمام من أن مفهوم العدد ليس بحجة، وكلام البيضاوي في تفسيره يشير إليه۔ ۲۸**

فلسفہ یونان کا ابطال

حالانکہ ان نظریات ومفروضات پر کوئی عقلی یا شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔ ۲۹ بلکہ یہ محض ادعائی بیانات ومزعومات تھے، جن کو جدید سائنس نے بالکل باطل قرار دے دیا ہے۔ اور دوسری طرف جدید سے جدید تر تحقیقات واکتشافات کے باعث قرآن حکیم کے مبہم بیانات کی تصدیق وتائید پے در پے سامنے آ رہی ہے۔ تفصیل کے لئے تو ایک دفتر چاہیے مگر اس موقع پر بطور اختصار عرض ہے کہ:

(۱) جدید فلکیات کی رو سے ثابت ہو چکا ہے کہ یونانی نظریات کے مطابق ہماری کائنات سات سیاروں اور ''نو افلاک'' میں محدود نہیں بلکہ اربوں کہکشاؤں (ستاروں کے مجموعے) اور کھربوں

ستاروں (ہمارے سورج جیسے) کا مجموعہ ہے، اور یہ سب اجرام وسیع اور بے کراں خلاؤں میں تیرتے پھر رہے ہیں۔ اور یہ پوری کائنات اس قدر وسیع ہے کہ اس میں ہمارے نظام شمسی کی حیثیت کسی بہت بڑے ریگستان میں ایک ریت کے ذرہ جیسی ہے۔

(۲) تمام ستارے اور سیارے کسی فلک میں جڑے ہوئے نہیں بلکہ بے کراں خلاؤں میں بغیر کسی سہارے کے تیرتے پھر رہے ہیں۔ (كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ.) اور ان میں ہمارا سورج بھی شامل ہے۔

(۳) یونانیوں کا نظریہ تھا کہ افلاک یا اجرام سماوی کا مادہ ہماری زمین کے مادے سے مختلف ہے، جو غلط ثابت ہو چکا ہے۔

(۴) یونانیوں کا نظریہ تھا کہ افلاک (اجرام سماوی) میں "خرق والتیام" محال ہے۔ یعنی اُن کا مادہ نہ تو ٹوٹ سکتا ہے اور نہ ٹوٹنے کے بعد پھر دوبارہ جڑ سکتا ہے۔ چنانچہ پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے کہ قرآن اور سائنس دونوں اجرام سماوی کی ٹوٹ پھوٹ اور ان کے بکھراؤ پر متفق اللفظ ہیں۔ ہمارے سورج جیسے ستاروں میں ہائیڈروجن گیس پائی جاتی ہے جو مسلسل جل جل کر ہیلیم (ایک دوسرے عنصر) میں تبدیل ہوتی جارہی ہے۔ چنانچہ ستاروں میں روشنی، چمک اور حرارت کی وجہ اسی کے جلنے کی بدولت ہے۔ اور ستارے بعض نامعلوم وجوہات کی بنا پر دھماکوں سے پھٹتے رہتے ہیں۔ اور اس قسم کے پھٹنے والے ستاروں کو "حادث ستارے" کہا جاتا ہے۔

(۵) یونانی فلکیات کے مطابق ساتوں افلاک تہہ بتہہ پیاز کے چھلکوں کی طرح ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ جب کہ حدیث شریف میں تصریح موجود ہے کہ ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت پائی جاتی ہے، جس طرح کہ ہماری زمین اور آسمان کے درمیان کا فاصلہ ہے:

مابین کل السمائین کما بین السماء والارض.[30]

(۶) یونانیوں کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ اجرام سماوی متحرک بالارادہ ہیں اور ان میں عقل وشعور بھی

پایا جاتا ہے اور یہ بات جدید تحقیقات و نظریات کی رُو سے بالکل غلط اور مہمل ہے۔ بلکہ موجودہ نظریات کی رُو سے تمام اجرام سماوی باہمی جذب و کشش (گراویٹیشن) کی بدولت فضاؤں اور خلاؤں میں تیر رہے ہیں۔

كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَسْبَحُوْنَ: ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلاَ: اللہ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹنے نہ پائیں۔ (فاطر:۴۱)

(۷) یونانی نظریات کی رو سے فلکیات اپنے پورے مواد اور شکل و صورت کے ساتھ ''قدیم'' ہیں۔ یعنی وہ مخلوق نہیں بلکہ ہمیشہ سے ہیں:

وذهب ارسطو ومن تبعه كالفارابي وابن سينا على انها قديمة بذواتها وصفاتها. وقالوا......(اما الفلكيات فإنها قديمة بموادها وصورتها الجسمية والنوعية). [۳۱]

(۸) جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا یونانی نظریات سے مرعوب ہو کر بعض مفسرین نے کرسی اور عرش کو آٹھواں اور نواں فلک قرار دے دینے کی جرات کر دی۔ مگر انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ یہ افلاک جو آنکھوں کو نظر نہیں آتے۔ بلکہ انہیں محض ادّعائی طور پر فرض کر لیا گیا ہے، وہ کرسی اور عرش کس طرح ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ حدیث نبوی کی تصریح کے مطابق ساتوں آسمان کرسی کے مقابلے میں ایک رتی سی چیز کی طرح اور اسی طرح ساتوں آسمان کرسی سمیت عرش کے مقابلے میں ایک ذرہ کے مانند ہیں۔ پھر کیا باریٰ تعالیٰ جو عرش پر مُستوی ہے وہ بھی معاذ اللہ عرش سمیت ان افلاک کے ساتھ گھوم رہا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ ایک مضحکہ خیز صورت حال ہے جو بالکل مہمل اور لایعنی ہے۔

آسمان اول کی بعض تفصیلات

غرض مذکورۂ بالا حدیث سے دو حقیقتیں ثابت ہوتی ہیں: (۱) ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ

سو سال کی مسافت کا فاصلہ موجود ہے:

مابینهما مسیرة خمس مائة سنة.

مگر پانچ سو سال کی مسافت کس قسم کی رفتار سے ہوگی؟ اس کی صراحت نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر بے انتہاء دوری ظاہر کرنا مقصود ہے، نہ کہ متعین طور پر پانچ سو سال کا فاصلہ قرار دینا۔ (۲) چنانچہ اس سلسلے میں دوسری جو حقیقت مذکور ہے وہ اس بے انتہاء فاصلے کے تعین کے سلسلے میں مزید وضاحت ہے۔ یعنی ہر دو آسمانوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ ہماری زمین اور آسمان کے درمیان پایا جاتا ہے:

ما بین کل سمائین کما بین السماء والارض.

اب سوال یہ ہے کہ ہماری زمین کا آسمان کہاں ہے؟ تو اس سلسلے میں قرآن حکیم میں جو اشارات مذکور ہیں اُن کی رُو سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ دوربینوں سے نظر آنے والی کہکشاؤں سے پرے واقع ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم کی صراحت کی رُو سے جتنے بھی ستارے (نجوم وکواکب) اور کہکشائیں (بُروج) ہم کو نظر آتے ہیں (خواہ وہ خالی آنکھ سے ہوں یا دوربینوں کے ذریعہ) وہ سب کے سب آسمان اول یا سمائے دنیا میں داخل ہیں، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَحِفْظًا.

ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا ہے (اور اسے ہر طرح سے) محفوظ کر دیا ہے۔ (حم سجدہ:۱۲)

اس موقع پر آسمان اول کو "محفوظ کر دینے" سے مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی نہ اُس پار جا سکتا ہے اور نہ ہی اُس پار جھانک کر دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ اُس کی سرحد ایک ٹھوس چیز سے بند کر دی گئی ہے:

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا وَّهُمْ عَنْ اٰيَاتِهَا مُعْرِضُوْنَ.

اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا ہے۔ اور یہ لوگ اُس کی نشانیوں سے رُوگردانی کر رہے ہیں۔ (انبیا:۳۲)

نیز اس سلسلے میں مزید وضاحت اس طرح آئی ہے:

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ.

اور ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے مزین کر دیا ہے۔ (ملک:۵)

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِينَةِ الْكَوَاكِبِ.

ہم نے قریبی آسمان کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کر دیا ہے۔ (صافات:٦)

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ: اور ہم نے آسمان (اول) میں بہت سے برج (ستاروں کے مجموعے) بنا دیے ہیں، اور انہیں غور سے دیکھنے والوں کے لئے آراستہ کر دیا ہے۔ (حجر:١٦)

دیکھئے ان تمام آیات میں "سماء" واحد آیا ہے اور متعدد آیات میں اس کی صفت "الدنیا" آئی ہے، یعنی قریبی یا پہلا آسمان۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ہماری آنکھوں کو نظر آنے والے اجرام یا مشہود کائنات آسمان اول میں واقع ہے اور بقیہ چھ آسمان ہماری آنکھوں سے اُوجھل ہیں۔ ہر دو آسمانوں کے درمیان ایک ٹھوس چیز بطور پردہ موجود ہے جسے قرآن حکیم میں "سقف محفوظ" یعنی ایک مضبوط چھت کہا گیا ہے۔ چنانچہ معراج نبوی کے سلسلے میں وارد حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر آسمان میں دروازے موجود ہیں جن پر دربان متعین ہیں جو بغیر اجازت کسی کو اس پار جانے نہیں دیتے۔ غرض ہماری مشہود کائنات ہی کے آسمان اول ہونے کا ایک اور ثبوت حسب ذیل آیت کریمہ بھی ہے، جس کے مطابق قیامت کے موقع پر ستاروں اور کہکشاؤں سے بھرپور اس کائنات کی بساط لپیٹ دی جائے گی:

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ، كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهُ، وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ.

جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح کہ لکھے ہوئے اوراق کا پلندہ (لپیٹا جاتا) ہے۔ جس طرح ہم نے تخلیق اول کی ابتداء کی تھی اسی طرح ہم اسے لوٹائیں گے۔ یہ ہمارے ذمہ ایک وعدہ ہے اور ہم اسے پورا کر کے رہیں گے۔ (انبیاء:١٠٤)

اس اعتبار سے حسب ذیل آیات میں آسمان کے پھٹنے سے مراد پوری آسمانی دنیا کا انتشار یا تخریب کائنات مراد ہے:

إِذَا السَّمَآءُ انفَطَرَتْ. وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ.

جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب ستارے بکھر جائیں گے۔ (انفطار:۱-۲)

چنانچہ ان آیات کے مطابق آسمان کے پھٹنے کی کیفیت یہ ہوگی کہ تمام ستارے منتشر و پراگندہ ہوجائیں گے، جو اختتام کائنات کا اعلان ہے۔

إِذَا السَّمَآءُ انشَقَّتْ: جب آسمان شق ہوجائے گا۔ (انشقاق:۱)

فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ.

جب آسمان پھٹ جائے گا تو وہ گلابی تیل کی طرح سرخ ہوجائے گا۔ (رحمان:۳۷)

وَانشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ.

اور آسمان پھٹ جائے گا تو وہ اُس دن (انتہائی) بودا ہوگا۔ (حاقہ:۱۶)

وَإِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ: جب آسمان کا پوست اُتارا جائے گا۔ (تکویر:۱۱)

السَّمَآءُ مُنفَطِرٌ بِهِ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا: اُس دن آسمان پھٹ جائے گا، اُس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ (مزمل:۱۸)

یہ اور اس قسم کی دیگر تمام آیات ایک ہی حقیقت عظمیٰ کی ترجمانی کر رہی ہیں اور اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کر رہی ہیں کہ قیامت کے موقع پر آسمانی دنیا کی کیفیت کیا ہوگی۔ غرض جب زمین و آسمان پوری طرح تباہ و برباد کردیے جائیں گے تو پھر انہیں دوبارہ نئے سرے سے وجود میں لایا جائے گا، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ.

جس دن کہ یہ زمین بدل کر دوسری زمین لائی جائے گی اور اسی طرح آسمان بھی (بدل دیے جائیں گے)۔ اور یہ سب کے سب اللہ کے روبرو حاضر ہوجائیں گے جو واحد اور زبردست ہستی ہے۔ (ابراہیم:۴۸)

ایک وضاحت

اوپر مذکور تفصیلات کی رُو سے بدلائل معلوم ہوگیا کہ آسمان اول کا یہ مفہوم نہ لیا جائے تو پھر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ہم بقیہ چھ آسمان کس کو قرار دیں؟ کیونکہ ایک تو دوربینوں سے نظر آنے والی کہکشاؤں کو "آسمان" قرار دینا ممکن نہیں ہے اور پھر ان پر "سات" کا اطلاق کرنا ایک امر محال ہے۔ بلکہ اس صورت میں تو آسمانوں کی تعداد اربوں تک پہنچ جائے گی، سات میں محدود نہ رہے گی۔ مزید یہ کہ اس صورت میں "سقف محفوظ" کا نظریہ بھی مُہمل بن جائے گا۔ یعنی اس کا کوئی مفہوم نہ رہے گا۔

لہذا ان تمام اعتبارات سے ماننا پڑے گا کہ بقیہ چھ آسمان ہماری آنکھوں سے مستور ہیں۔ مگر وہ کس قسم کے ہیں؟ آیا اُن میں بھی ہماری کائنات کے مطابق چاند، ستارے اور کہکشائیں موجود ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ ان سب کا تفصیلی علم صرف خدائے علیم وخبیر ہی کو ہوسکتا ہے۔

اسلامی دور میں قانون تجاذب کا مفہوم

غرض تخریب کائنات کی یہ داستان بڑی عبرتناک ہے، جو جدید ترین نظریات واکتشافات کی روشنی میں ایک حقیقت نظر آ رہی ہے۔ قرآنی بیانات اور اُس کے دعوؤں کو سمجھنا موجودہ نظریات کی روشنی میں بہت آسان ہوگیا ہے، ورنہ دور قدیم میں ان کا مفہوم واضح نہیں تھا۔ چنانچہ مختلف ستاروں، سیاروں اور دیگر اجرام سماوی کے درمیان جو "توازن" قائم ہے، جس کی بنا پر وہ ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں بلکہ ہر ایک اپنے مدار میں تیرتے ہوئے محوِ گردش ہے، اُس کی وجہ اُن کے درمیان پایا جانے والا "عالمگیری قانون تجاذب" ہے، یعنی یونیورسل لاء آف گراویٹیشن۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام اجرام سماوی ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ کیونکہ ہر مادی شے میں دوسری مادی شے کو کھینچنے کی قوت یا تجاذب ہوتا ہے۔ اور اس قوت کشش کی بنا پر ان سب کا باہمی توازن برقرار رہتا ہے اور وہ ایک دوسرے کو تھامے ہوئے گردش کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اگر اُن کی یہ باہمی قوت جذب وکشش ختم

کردی جائے تو وہ آپس میں ٹکرا کر ختم ہو جائیں گے۔ مثال کے طور پر اگر آپ ایک گیند کو ڈوری میں باندھ کر اُسے گھماتے رہیں گے تو آپ کے ہاتھ کی ڈوری بندھی ہوئی رہے گی اور وہ گھومتا رہے گا۔ لیکن اگر ڈوری ٹوٹ جائے تو وہ آپ کے ہاتھ سے نکل بھاگے گا اور اپنے مقابل سے ٹکرا جائے گا۔

دور قدیم میں قانون تجاذب کا یہ مفہوم واضح نہیں تھا، مگر پھر بھی اسلامی نظریات میں ہو بہو یہی مفہوم پایا گیا ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں سورۂ تکویر کی تفسیر میں کلبی سے منقول ہے کہ اُس دن (قیامت کے موقع پر) آسمان ستاروں کی برسات کرے گا اور ہر ستارہ سطح ارض سے ٹکرا جائے گا۔ نیز عطاء سے منقول ہے کہ یہ بات اس طرح ہے کہ ستارے زمین اور آسمان کے درمیان معلق قندیلیں ہیں جو نور کے سلسلوں (یا ڈوریوں) میں (بندھی ہوئی) ہیں۔ اور یہ ڈوریاں ملائکہ کے ہاتھوں میں ہیں۔ لیکن جب زمین اور آسمان کے تمام لوگ مر جائیں گے تو یہ ڈوریاں ملائکہ کے ہاتھوں سے چھوٹ جائیں گی۔

قال الکلبي: تمطر السماء یومئذ نجوما فلا یبقي نجم في السماء إلا وقع علی وجه الارض، قال عطاء: وذلک انها في قنادیل معلقة بین السماء والارض بسلاسل من النور، وتلک السلاسل في ایدي الملائکة، فإذا مات من في السماء والارض تساقطت تلک السلاسل من ایدي الملائکة. ۳۲

ان حقائق کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی دور میں لوگ فلسفہ یونان کے مقلّد جامد نہیں تھے۔ بلکہ یہ اور اس قسم کے نظریات یا تو منقولی ہیں جو عہد رسالت سے متوارث چلے آ رہے تھے (اور خاص کر حضرت ابن عباسؓ سے اس قسم کے بے شمار حقائق منقول ہیں) یا پھر عہد اسلامی میں مسلم سائنس دانوں کی تحقیق و تدوین کا نتیجہ ہیں۔

دور صحابہ میں کہکشاں کا تصور

ہمارے ذخیرۂ تفسیر پر ایک نظر ڈالنے سے اس قسم کے بہت سے حقائق سامنے آتے ہیں، جو تحقیقات جدیدہ کے عین مطابق ہیں۔ ان حقائق کے ملاحظے سے حیرت ہوتی ہے کہ قدیم دور میں اہل

اسلام اور خاص کر صحابہ کرام اور تابعین وتبع تابعین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) جدید تحقیقات واکتشافات سے بے خبر کائنات کے رُموز واسرار سے کس قدر آشنا تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے اس علم واطلاع کی بنیاد تجرباتی نہیں بلکہ رسول اکرم ﷺ سے سنی ہوئی باتوں کی بنا پر ہی تھی جو خاص خاص صحابہ سے منقول ہے۔ چنانچہ دورِ صحابہ میں آسمان اور کہکشاں کا صحیح تصور حضرت علیؓ سے سورۂ انشقاق کی تفسیر میں اس طرح منقول ہے کہ آسمان مَجرّہ یعنی کہکشاں سے پھٹے گا۔

وعن علي عليه السلام انها تنشق من المجره. ۳۳

یعنی آسمان کے پھٹنے کی ابتداء ہماری کہکشاں (ملکی وے یا دُودھیائی راستے) سے ہوگی، جو زمین والوں کے لئے سب سے قریبی کہکشاں ہے اور اس میں ایک موٹے اندازے کے مطابق تقریباً ایک کھرب ستارے (ہمارے سورج جیسے) موجود ہیں۔

The Milky Way is our own galaxy, and the sun is only one star of the 100 billion stars in it. ۳۴

چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کہکشاں آسمان کا دروازہ ہے۔ (**المجردة باب السماء**) اور اس سے مراد وہ دودھیائی راستہ ہے جو رات کے وقت آسمان میں ایک سفید لکیر کی شکل میں نظر آتا ہے۔ چنانچہ اس کی وضاحت خود حضرت ابن عباسؓ نے اس طرح کی ہے: (**وهي البياض المعترض في السمآء**)۔ ۳۵

تخریب عالم کی ابتدا تخریب سماء سے کیوں؟

قرآن عظیم ایک انتہائی حکیمانہ کلام ہے جو علم وحکمت کے نکات سے بھرپور ہے۔ اس میں سائنٹفک نقطۂ نظر سے غور کرنے والوں کے لئے قدم قدم پر حقائق ومعارف کا ایک انبار نظر آتا ہے۔ کیونکہ یہ ربّ العالمین کا کلام ہے جس کی نظر سے اس کائنات کی کوئی چیز اور کوئی حقیقت پوشیدہ نہیں ہے۔ بلکہ اُس نے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ اس عالم رنگ وبو کی تخلیق کی ہے اور اس عالم طبیعی کے تمام واقعات اُس کی منصوبہ بندی ہی کے تحت وقوع میں آ رہے ہیں۔ اسی بنا پر قرآنی آیات میں بھی

منطقی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے۔ یعنی ہر دو آیات کے درمیان بہت گہرا عقلی ربط و تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ سورۂ انفطار کی ابتدائی پانچ آیات ملاحظہ ہوں جو اس طرح ہیں:

إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ. وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ. وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ. وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ. عَلِمَتْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ.

جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب ستارے جھڑ پڑیں گے۔ اور جب سمندر اُبل پڑیں گے۔ اور جب قبریں کھول دی جائیں گی۔ تب ہر شخص جان لے گا کہ اُس نے آگے کیا بھیجا اور پیچھے کیا چھوڑا۔ (انفطار:۱-۵)

چنانچہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تخریب عالم کی ابتدا آسمان کو اُجاڑنے سے کیوں کی گئی ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آسمان بمنزلہ چھت کے ہے اور زمین بمنزلہ عمارت کے ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص گھر کو تباہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے چھت کو توڑتا ہے۔ تو کہا گیا (إِذَا السَّمَآءُ انفَطَرَتْ)۔ پھر آسمان کی تباہی سے ستاروں کا بکھراؤ لازم ہو جاتا ہے تو کہا گیا (وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ)۔ پھر آسمان اور ستاروں کی تخریب سے زمین پر جو کچھ موجود ہے اُس کی تخریب بھی ضروری ہو جاتی ہے اس لئے فرمایا (وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ)۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے آخری فیصلے میں زمین کو بھی جو ایک عمارت کی طرح ہے تباہ کر دے گا تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا (وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ)۔ یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ زمین کی قلب ماہیت کر دی جائے گی۔ ۳۶؎

پھر اُس کے بعد دنیا کے تمام اگلے اور پچھلے انسانوں کو اپنی اپنی قبروں سے نکال باہر کر کے اُن کا محاسبہ کیا جائے گا اور ہر شخص کو اُس کے اچھے اور برے اعمال کی جزا و سزا دی جائے گی۔ نتیجہ یہ کہ کسی کو جنت ملے گی تو کسی کو دوزخ۔ اُس دن ہر شخص کو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ اُس نے دنیا میں کیا کیا تھا اور روز جزا میں اُسے کیا ملا؟ جو کچھ اُس نے کیا تھا اُسی کا بدلہ ملے گا۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ. وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ.

جس نے ذرہ بھر بھی نیکی کی ہے وہ اُسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ بھر بھی برائی کی ہے وہ

بھی اُسے دیکھ لے گا۔

حرفِ آخر

حاصل بحث یہ کہ اسلام ایک عالمی و عقلی مذہب ہے جو علم و حکمت سے بھر پور ہے۔ اور اُس کی دعوت توہمات یا غیر عقلی عقائد و نظریات پر مبنی نہیں، بلکہ علمی اور سائنٹفک دلائل اور نظام کائنات کے حقائق پر مبنی ہے۔ چنانچہ جدید سے جدید تر انکشافات سے اُس کے عقائد و تعلیمات کی حقیقت کھل کر سامنے آرہی ہے، جن کے ملاحظے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام ایک سچا اور برحق دین ہے جو اسی ہستی کی جانب سے بھیجا ہوا ہے جس نے اس کائنات کی تخلیق کی ہے۔ ورنہ قرآن اور کائنات کے حقائق میں اس قدر زبردست مطابقت ہرگز نہ پائی جاتی۔ لہٰذا یہ پوری نوع انسانی کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے کہ وہ خدا کے اس سچے مذہب کو اپنا کر اپنی عاقبت درست کرلے اور آخرت کے عذاب سے محفوظ ہو جائے۔

قُلْ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ، فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ، وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا، وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ. (یونس:۱۰۸)

کہہ دو کہ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق بات آچکی ہے۔ لہٰذا اب جو کوئی راہ راست پر آئے گا تو وہ اپنی ہی بھلائی کے لئے ہوگا۔ اور جو گمراہ ہوگا تو اُس کا وبال بھی اُسی پر ہوگا۔ اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔

مراجع وحواشی

(۱) فقہ اللغۃ وسر العربیۃ، ابومنصور ثعالبی، ص ۱۶ مطبوعہ مصر، ۱۹۵۴ء۔

(۲) لسان العرب، ابن منظور، ۱۴/ ۲۹۸، دار صادر بیروت۔

(۳) زادالمسیر فی علم التفسیر، ابن جوزی: ۸/ ۴۱، دمشق، ۱۹۶۷ء۔

(۴) دیکھیے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (خورد): ۲/ ۱۰، ۱۹۸۳ء۔

(۵) Oxford Encyclopedia, Vol.8, New York, 1993, P.15.

(۶) تہافۃ الفلاسفۃ، از امام غزالی، ص ۴۱، دار الشروق بیروت، ۱۹۹۰ء۔

(۷) یعنی "سورج کی موت اور قیامت"۔

(۸) بخاری کتاب التوحید، ۸/ ۲۰۴، مطبوعہ استانبول، ۱۹۸۱ء۔

(۹) بخاری کتاب الصلوۃ، ۱/ ۹۱-۹۲، ایضاً۔

(۱۰) تفسیر کبیر: ۳۱/ ۱۱۴، دار الفکر۔

(۱۱) تفسیر ابن جریر: ۳۰/ ۸۱، دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۰۔

(۱۲) Oxford Illustrated Encyclopedia, Vol.8, Oxford University Press, Oxford 1993, P.55.

(۱۳) The World Book Encyclopedia, Vol.8, 1996, P.10.

(۱۴) New Fronties in Artronomy, Freeman & Company, San Francisco, 1975, P.224.

(۱۵) Ibid.

(۱۶) Ibid.

(۱۷) Ibid, P.222.

(۱۸) اس حدیث سے علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں استدلال کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ اس

حدیث کو ابن حبانؒ اور احمد بن حنبلؒ نے روایت کیا ہے۔(فتاوی ابن تیمیہ:۶/۵۵۶)۔

(۱۹) بخاری کتاب التوحید،۸/۱۷۶۔

(۲۰) بخاری کتاب التفسیر:۶/۳۳،مسلم کتاب صفات المنافقین:۴/۲۱۴۷، دارالافتاء ریاض،۱۴۰۰۴۔

(۲۱) بخاری کتاب الرقاق:۷/۱۹۴،مسلم:۴/۲۱۴۸۔

(۲۲) بخاری ومسلم۔

(۲۳) دیکھئے فتاوی ابن تیمیہ:۶/۵۹۲،مطبوعہ دارالافتاء،ریاض۔

(۲۴) تفسیر کبیر:۲/۴/۱۷۔

(۲۵) دیکھئے شرح چغمینی:ص۲۲،مطبوعہ رحیمیہ دیوبند۔

(۲۶) دیکھئے تصریح (شرح تشریح الافلاک) ص۶،رحیمیہ دیوبند۔

(۲۷) تفسیر بیضاوی:۱/۲۷۶،دارالفکر بیروت۔

(۲۸) تفسیر روح المعانی:علامہ آلوسی، ۱/۲۱۷،داراحیاء التراث العربی بیروت۔

(۲۹) دیکھئے فتاوی ابن تیمیہ:۶/۵۴۶۔

(۳۰) جامع ترمذی: کتاب تفسیر القرآن،۵/۴۰۳،داراحیاء التراث العربی،بیروت۔نیز ملاحظہ ہو
مسند احمد،۲/۳۷۰، المکتب الاسلامی بیروت،۱۳۹۸۔

(۳۱) کشاف اصطلاحات الفنون:۱/۵۹۵،جدید ایڈیشن،بیروت۔

(۳۲) تفسیر کبیر:۳۱/۶۸،مطبوعہ دارالفکر بیروت۔

(۳۳) تفسیر کبیر:۳۱/۱۰۴۔

(۳۴) Oxford Encyclopedia,Vol.8,P.54.

(۳۵) النہایہ فی غریب الحدیث:۱/۲۲۹،لسان العرب:۴/۱۲۹۔

(۳۶) تفسیر کبیر:۳۱/۷۸۔

فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ کی اہم مطبوعات

مولانا محمد شہاب الدین ندوی کے قلم سے

اردو مطبوعات:

۱-قرآن حکیم اور علم نباتات ← 170/-
۲-تخلیق آدم اور نظریہ ارتقاء
۳-قرآن مجید اور دنیائے حیات ← 30/-
۴-اسلام اور عصر حاضر ← 45/-
۵-چاند کی تسخیر قرآن کی نظر میں
۶-قرآن، سائنس اور مسلمان ← 40/-
۷-عورت اور اسلام
۸-اسلام اور جدید سائنس
۹-جدید علم کلام ← 40/-
۱۰-قرآن اور نظام فطرت
۱۱-قرآن عظیم کا نیا معجزہ اور علماء کی ذمہ داریاں ← 28/-
۱۲-اسلام میں علم کا مقام و مرتبہ
۱۳-اسلام کا قانون نکاح
۱۴-اسلام کا قانون طلاق
۱۵-اسلامی شریعت علم اور عقل کی میزان میں
۱۶-تین طلاق کا ثبوت
۱۷-سپریم کورٹ کا فیصلہ
۱۸-تعدد ازدواج پر ایک نظر
۱۹-ہمارے تعلیمی مسائل
۲۰-اسلام میں زکاۃ کا نظام
۲۱-قرآن کا پیغام
۲۲-زکاۃ کے مستحق کون ہیں؟ (دو حصے)
۲۳-کیا زکاۃ علماء کو دی جا سکتی ہے؟
۲۴-آسان عربی زبان (دو حصے)
۲۵-اسرار نبوت
۲۶-جہیز ایک غیر اسلامی تصور
۲۷-عالم ربوبیت میں توحید شہودی کے جلوے
۲۸-نکاح کتنا آسان کتنا مشکل؟
۲۹-بیع مرابحہ اور اسلامی بینک کاری
۳۰-جہیز خلاف شریعت کیوں؟
۳۱-زکاۃ اور مصالح عامہ
۳۲-زکاۃ کے اجتماعی نظام کی اہمیت
۳۳-حیات ثانی کے عقیدے پر کلوننگ کی شہادت
۳۴-سائنسی میدان میں مسلمانوں کا عروج و زوال
۳۵- رؤیت ہلال کے لئے فلکیاتی حساب معتبر ہے یا نہیں؟
۳۶- اکیسویں صدی کا جہاد: قرآن عظیم کے ذریعہ
۳۷- اسلام اور جدید عالمی نظام
۳۸-زکاۃ کے آٹھ مصارف: اور فی سبیل اللہ کی اہمیت
۳۹-سورج کی موت اور قیامت: قرآن، حدیث اور سائنس کی نظر میں

انگریزی مطبوعات

1- The Holy Qur'an and Biology
2- The Battle of Islamic Shariah in India
3- The Holy Qur'an and Natural World
4- Evolution or Creation?
5- Islam in Concept
6- Need to Institutionalise Zakat
7- Cloning Testifies Resurrection
8- Shariah House A Basic Need
9- Rise and Fall of Muslims in Science
10- Moon Sighting & Astronomical Calculations
11- Qur'an, Science and the Muslims

عربی مطبوعات

١- بين علم آدم والعلم الحديث
٢- الأدلة العلمية الحديثة علي المعاد الجسدى
٣- التجليات الربانية فى عالم الطبيعة
٤- الاستنساخ الجينى يصدق المعاد الجسدى
٥- نهضة العالم الأسلامى فى ظلال القرآن الكريم
٦- أهمية الجهاد لنهضة العالم الأسلامى
٧- التقدم فى العلم والتكنولوجيا
٨- الحاجة الى انشاء دار الشريعة فى الهند
٩- مشاهد الربوبية فى دنيا النبات
١٠- جلق آدم ونظرية التطور والارتقاء